اندھیری رات کے مسافر

IqbalCyberLibrary.Net

نسیم حجازی

حصہ اول

پیش لفظ

میرے سامنے تاریخ کے وہ اوراق بکھرے پڑے تھے' جب

اندلس کے مسلمانوں کی آخری سلطنت ...... غرناطہ کی تباہی کے بعد وہ عظیم قوم بھی مٹ گئی تھی' جس کے غازیوں نے آٹھ صدیوں قبل جب الطارق کے سامنے اپنی کشتیاں جلا ڈالی تھیں۔

میں کتنی ہی دیر ساحل پر اترنے والے ان قافلوں کو دیکھتا رہا' جن کی راہوں کے گردوغبار میں فرزندانِ اسلام کے ماضی کی عظمتیں پوشیدہ تھیں اور پھر ...... میری آنکھوں کے سامنے وہ لمحات ابھر ابھر آتے' جب فرڈینینڈ کی افواج غرناطہ میں داخل ہو گئی تھیں۔

طارق اور عبدالرحمٰن کی بیٹیوں کی آہ و بکا میں برابر سنتا رہا...... غرناطہ کے ان بوڑھوں اور جوانوں کی ذلت و رسوائی کے لرزہ خیز مناظر بھی دیکھتا رہا' جن پر رحم و بخشش کے سارے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے تھے......

کئی بار سوتے جاگتے

غرناطہ کے پرشکوہ ایوانوں' بارونق بازاروں اور گلیوں کے باہر کھڑے' میں اُن غداروں کے قہقہے بھی سنتا رہا' جو ایک مدت سے دشمن کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے ...... میرے سامنے دراصل اس کارواں کی سرگزشت کھلی پڑی تھی' جس کے مستقبل پر دائمی اندھیروں نے پردے ڈال دیے تھے......

اندلس کی تاریخ کی ورق گردانی میں نے اس وقت شروع کی' جب ایک ہندو مہا سبھائی لیڈر نے یہ کہا تھا...... اگر آٹھ سو سال کی حکومت کے بعد بھی سپین میں مسلمانوں کا نام و نشان مٹ سکتا ہے تو ہندوستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا!

اور پھر' جب

۱۹۶۵ء کی جنگ ایک حقیقت بن کر ہمارے سامنے آگئی تو یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ

عدم تشدد کے لبادے سے برہمنی سامراج کا عفریت نمودار ہو چکا ہے اور بھارت کے طول وعرض میں اندلس کی تاریخ دہرانے کی ابتدائی مشقیں شروع ہو گئی ہیں......

یہ کتاب شروع کرتے ہوئے میرا خیال تھا کہ جو واقعات متارکہ جنگ کے معاہدے اور غرناطہ کے سقوط کے درمیان پیش آئے تھے' وہ ابتدائی تین چار ابواب میں ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد میں ۱۵۰۲ء تک کے تاریک رات کے مسافروں کی سرگزشت بیان کر سکوں گا لیکن ایک طویل داستان کی تمہید کو مختصر کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔

پھر جب میں نصف سے زیادہ کام ختم کر چکا تھا تو ڈھاکہ کے سقوط کا عظیم المیہ پیش آیا۔

اور اس کے بعد تقریباً تین مہینے کسی پرسان حال کو اتنا بھی نہ لکھ سکا کہ میں زندہ ہوں ...... میں اپنے دل سے بار بار یہ پوچھا کرتا تھا ...... کیا سقوط بغداد اور سقوط غرناطہ کی داستانیں مسلمانوں کی عبرت کے لیے کافی نہ تھیں؟ کیا ڈھاکہ کے سقوط کے نتائج صرف مشرقی پاکستان تک ہی محدود رہ سکیں گے......؟

۱۹۷۲ء کی گرمیوں کے آغاز میں ذرا سنبھلتے ہی میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگلے سال مارچ تک یہ کتاب ختم کر لوں گا لیکن میرے ذہن پر سقوط ڈھاکہ کے شدید اثرات ابھی تک باقی تھے چنانچہ نومبر میں اعصاب کی تھکن نے ایک مستقل بیماری کی صورت اختیار کر لی اور قریباً چھ ماہ تک میں چند صفحات سے زیادہ نہ لکھ سکا۔

اور اب اس کتاب کو ختم کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے سقوط غرناطہ اور سقوط ڈھاکہ' ایک ہی المناک داستان کی دو کڑیاں ہیں ...... وہی آنسو ہمارے سامنے ہیں وہی دلخراش مناظر اور بوڑھوں اور جوانوں کی وہی ذلت و رسوائی جو ۱۵۰۲ء میں غرناطہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی...... ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ کو اپنی

آغوش میں دبائے نظر آتی ہے......

لیکن مشرقی پاکستان کا المیہ اس لحاظ سے انتہائی دردناک ہے کہ وہ مقامی اور مہاجر جو آخری وقت تک اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ملت اسلام کا دامن تھامے ہوئے تھے ...... جو پاکستان کی سالمیت پر ایمان رکھتے تھے وہ اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں ذبح ہوئے۔

اور پھر بہار کے مسلمان!

جنھوں نے آگ اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان کے حصار میں پناہ لی تھی ...... اُن کی ایک نسل کے بوڑھے دوسری نسل کے جوان اور تیسری نسل کے کمسن بچے آج انسانیت کے ضمیر سے پوچھ رہے ہیں کہ ہماری قوم اور ہمارا پاکستان کہاں ہیں؟ اور اللہ کی زمین پر وہ کون سی جگہ ہے جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے؟

قومیں اتفاقی حادثات سے تباہ نہیں ہوتیں ...... وہ اس وقت ہلاک ہوتی ہیں جب ان کا اجتماعی احساس ختم ہو جاتا ہے ...... سنگلاخ چٹانیں سمندروں کی تندوتیز لہروں میں بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں لیکن ریت کے تودے اور تنکوں کے انبار وقت کی آندھیوں کے سامنے نہیں ٹھہرتے ......

ہمیں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ملت اسلام کے جس خون کی روشنائی سے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نقشے کی لکیریں کھینچی گئی تھیں انہیں بہار کے ستم رسیدہ مسلمانوں کا خون بھی شامل تھا اور وہ بھارت کی ایک طفیلی ریاست کے باشندے نہیں بلکہ ملک پاک کے وجود کا ایک مستقل حصہ ہیں۔

آخر میں اگر میں شیخ محمد احسن صاحب (مالک قومی کتب خانہ) کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ دیباچہ نامکمل رہ جائے گا۔

علالت کے دوران میں مجھے اپنے کام کی اہمیت کا احساس دلانا اور میرا عزم اور حوصلہ قائم رکھنے میں ان کی ذاتی کوششوں کو بڑا دخل تھا۔

اگر ان کا مخلصانہ تعاون میرے شامل حال نہ ہوتا تو یہ کتاب شاید دن مہینے اور شائع نہ ہو سکتی' مسودے پر نظر ثانی کے لیے انہوں نے میرے حصے کا بہت سا کام اپنے ذمے لیا تھا.........

احسن صاحب صرف پبلشر ہی نہیں' میرے دوست بھی ہیں اور مجھے ایک دوست کے سامنے شکریے کے رسمی الفاظ دہراتے ہوئے ہمیشہ الجھن محسوس ہوتی ہے

-

ایبٹ آباد ۱۵ جنوری ۱۹۷۲ء نسیم حجازی

سینٹا فے

۱۴۹۱ء کے آخری مہینے کی ایک صبح افق مشرق پر ابھرتا ہوا سورج اپنی سنہری اور روپہلی کرنوں کے جال پھیلا رہا تھا...... جنوب کے کوہستانوں میں خوابیدہ دھندلکے آہستہ آہستہ اپنا دامن سمیٹ رہے تھے اور سیرا نوادا' البجارہ اور الحمرہ کی بلند چوٹیوں پر برف کے تاج جگمگا رہے تھے۔

سینٹا فے کے فوجی کیمپ میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔

ملکہ ازابیلا شاہی خیمے سے کچھ دور ایک پہاڑی پر کھڑی تھی اور غرناطہ کا دھندلا سا منظر اسکے سامنے تھا۔ کبھی کبھی اس کی نگاہیں اردگرد پھیلے ہوئے خیموں یا پڑاؤ سے آگے ویگا کے نشیب و فراز میں اُن ویران بستیوں میں جا رکتیں جہاں جلے اور اجڑے ہوئے مکانات جنگ کی ہولناکیوں کی گواہی دے رہے تھے لیکن چند ثانیے کے بعد یہ طلسماتی شہر جسے وہ چھ میل کے فاصلے سے بار بار دیکھ چکی تھی اور جس کے بلند مینار اور گنبد اس کے ذہن پر نقش ہو چکے تھے' پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا۔

جنگ کے ایام میں جب اس نے پہلی بار اس پہاڑی سے غرناطہ کا منظر دیکھا تھا' اس وقت سورج ڈوب رہا تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ سینٹا فے اور الحمرا کا درمیانی فاصلہ یکایک کم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پہاڑی اس کے لیے ایک مستقل سیرگاہ بن چکی تھی اس کی سہولت کے لیے اوپر چڑھنے کا راستہ کشادہ کر دیا گیا تھا اور چوٹی پر ایک خوبصورت شامیانہ بھی لگا دیا گیا تھا۔

عام طور پر جب وہ شاہی خیمے سے باہر نکلتی تو خادماؤں اور کنیزوں کی پوری فوج اس کے ساتھ ہوتی تھی لیکن جب کوئی ذہنی الجھن پیش آتی تو اسے اپنی خاص سہیلیوں کی رفاقت بھی ناگوار گزرتی تھی اور آج اس کی یہ حالت تھی کہ جب وہ شاہی خیمے سے نکلی تو صرف دو خادمائیں اس کے ساتھ تھیں' لیکن اس نے پہاڑی پر

پہنچتے ہی انہیں بھی رخصت کر دیا۔

ازابیلا اس بات سے پریشان تھی کہ قسطلہ کے بشپ اور کلیسا کے محکمہ احتساب کے سربراہ نے اپنے خط میں جنگ بندی کے معاہدے کے خلاف شدید احتجاج کیا تھا اور فرڈیننڈ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ متارکہ جنگ کے معاہدے کو بلا تاخیر منسوخ کر کے غرناطہ پر بھرپور حملہ کر دے۔

اس خط کا جواب دینا ضروری تھا لیکن فرڈی نینڈ نے ریمینس کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا۔ رات کا کھانا کھاتے وقت ملکہ نے تیسری بار اس خط کا ذکر کیا تھا لیکن فرڈی نینڈ نے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ "ہم صبح غور کریں گے..... اس وقت ہم بہت تھکے ہوئے ہیں"۔

اور جب صبح ہوئی تو وہ گشت پر جا چکا تھا

☆☆☆

ازابیلا کچھ دیر شامیانے کے قریب کھڑی رہی، پھر وہ پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اچانک اسے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور وہ اٹھ کر دائیں طرف دیکھنے لگی۔

فرڈی نینڈ ٹیلے پر پہنچتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور اس نے آگے بڑھ کر ملکہ کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوتے کہا "آج سردی زیادہ تھی۔ آپ کو کچھ دیر اور آرام کرنا چاہیے تھا!"

ملکہ نے جواب دیا "جب منزل اتنی قریب آ چکی ہو تو مسافر آرام نہیں کر سکتے۔ آج صبح ہوتے ہی میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتی تھی کہ جنگ بندی کے دس دن گزر چکے ہیں اور معاہدے کے مطابق ہمیں سنتافے اور غرناطہ کے درمیان یہ چھ میل کا فاصلہ طے کرنے میں ساٹھ دن اور لگ جائیں گے"۔

فرڈی نینڈ نے جواب دیا "ملکہ! آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ ساٹھ دن اور چھ میل اس قوم کی زندگی اور موت کے درمیان آخری حد فاصل ہیں جس نے آٹھ سو

سال اس زمین پر حکومت کی ہے...... مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ذہن میں ابھی تک زیمینس کے خط کا اثر ہے لیکن اس بوڑھے پادری کو کیا معلوم کہ جس قوم کو ہم ہلاکت کے آخری کنارے پر لے آئے ہیں‘ اس نے چند برس کے اندر اندر جبل الطارق سے لے کر پیرے نیز کی چوٹیوں تک کلیسا کے سارے پرچم سرنگوں کر دیے تھے“۔

زیمینس کو کون یہ سمجھا سکتا ہے کہ جب اس قوم کا زوال شروع ہو چکا تھا تو بھی کلیسا کی متحدہ قوت کو دریائے ٹاس اور وادی الکبیر کے درمیان چند منازل کا فاصلہ طے کرنے میں چار صدیاں لگ گئی تھیں اور ان چار صدیوں میں جب کبھی ان کا مدافعانہ جذبہ بیدار ہوا تھا وہ دنوں میں برسوں کا حساب چکا دیتے تھے“۔

وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ازابیلا نے کہا ”میرا مقصد آپ کی رائے سے اختلاف نہ تھا۔ میں اس بات پر فخر کرتی ہوں کہ جن ہاتھوں سے اندلس کی آزادی کا چراغ بجھنے والا ہے‘ وہ میرے شوہر کے ہاتھ ہیں۔ میں صرف اشتیاق کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اگر آپ زیمینس کے خط کا اچھی طرح پڑھ لیتے تو آپ کو یہ غلط فہمی کبھی نہ ہوتی کہ وہ آپ کی عظیم کامیابیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا“۔

میں نے اس کا خط پڑھ لیا تھا۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم بلا تاخیر متارکہ جنگ کا معاہدہ منسوخ کر کے غرناطہ پر چڑھائی کر دیں...... وہ صرف ایک پادری ہے اور میں تمام حالات پر نگاہ رکھنے والا سپاہی ہوں۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اہل غرناطہ مر چکے ہیں اور اب صرف ان کی لاشیں نوچنے کا کام باقی رہ گیا ہے لیکن میرے نزدیک غرناطہ ایسی حالت میں بھی ایک ایسا آتش فشاں پہاڑ ہے جس کی تہہ میں ابھی تک لاوا ابل رہا ہے...... اس آتش فشاں کے دہانے پر کلیسا کے اقتدار کی مسند سجانے سے پہلے مجھے اس اطمینان کی ضرورت ہے کہ وہ لاوا ٹھنڈا ہو چکا ہے......

یہ درست ہے کہ ہماری فوجیں غرناطہ سے صرف چھ میل دور ہیں‘ لیکن متارکہ جنگ کا معاہدہ کرنے سے پہلے میں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ہماری جنگ اب

غرناطہ کے مضافات کی بجائے اس کی چار دیواری کے اندر لڑی جائے گی اور جو کام ہمارے لشکر برسوں میں نہیں کر سکے وہ اب ان لوگوں کے ہاتھوں سے پورا ہو رہا ہے جو غرناطہ کے اندر رہ کر اپنی قوم کے ذہنی حصار کی بنیادیں توڑ سکتے ہیں۔ کیا میری کامیابی معمولی ہے کہ جو مقصد ہمیں ہزاروں سپاہیوں کی قربانی پیش کرنے کے بعد حاصل ہو سکتا تھا' وہ اس شخص کے ہاتھوں پورا ہو رہا ہے جسے ہمارے دشمن اپنے آخری قلعے کا محافظ سمجھتے ہیں"۔

ازابیلا نے کہا "میں ہر لحظہ یہ دعا کرتی ہوں کہ جو توقعات آپ نے ابو عبداللہ سے وابستہ کی ہیں' وہ پوری ہوں' لیکن کبھی کبھی مجھے یہ بات بہت پریشان کرتی ہے کہ وہ ایک بار آپ سے وعدہ خلافی کر چکا ہے' اس لیے اس پر دوبارہ اعتماد کرنا دانشمندی نہیں"۔

فرڈی ننڈ بولا' "قسطلہ کے بشپ نے بھی اپنے خط میں یہی بات لکھی ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ میں اس پر اعتماد کرتا ہوں۔ وہ ایک عیاش کاہل اور متلون مزاج آدمی ہے۔ مگر مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مجھے اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ اپنی قوم کی تذلیل کے لیے جو سامان اس نے پیدا کیے ہیں وہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ آج غرناطہ کی حالت اس شیر کی سی ہے جو زخمی ہونے کے بعد کسی جھاڑی کی اوٹ میں اپنے زخم چاٹ رہا ہو۔ اب میں آگے بڑھ کر آخری وار کرنے سے پہلے ابو عبداللہ کو اس بات کا موقع دینا چاہتا ہوں کہ وہ اس زخمی شیر کو باندھ کر میرے قدموں میں ڈال دے"۔

ملکہ نے کہا "آپ کو یقین ہے کہ اگر آئندہ ساٹھ دن کے اندر اندر اہل غرناطہ نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو ابو عبداللہ ان کے جوش و خروش کے سامنے ٹھہر سکے گا؟"

فرڈی ننڈ نے جواب دیا "ابو عبداللہ جیسے لوگ ہر آندھی کے ساتھ اڑنے اور ہر سیلاب کے ساتھ بہنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اسے ہمیشہ کسی سہارے کی تلاش

رہتی ہے۔ جب ہم نے اسے سہارا دیا تھا تو اس نے اپنے باپ کے خلاف بھی بغاوت کر دی تھی۔ اور پھر جب موسیٰ بن ابی غسان نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تھا تو وہ ہمارے خلاف کھڑا ہو گیا تھا۔ اب غرناطہ میں کوئی دوسرا موسیٰ نہیں ہے اور ابو عبداللہ آج ایک ایسے آدمی کے قبضے میں ہے جسے میں اپنی فتح کی ضمانت سمجھتا ہوں۔ وہ اسے ایسے مقام پر لے آیا ہے جہاں سے واپس جانے کے لیے کوئی راستہ باقی نہیں رہا...... ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس آدمی کو موسیٰ بن ابی غسان نے اہل بربر اور ترکوں کے پاس اپنا ایلچی خاص بنا کر بھیجا تھا، وہ مالٹا کے قید خانے میں پڑا ہوا ہے۔ اور اگر وہ بیرونی اعانت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا تھا"۔

"خدا کا شکر ہے یہ آخری خدشہ بھی دور ہو چکا ہے......"۔

فرڈیننڈ نے جواب دیا "یہ خدشہ اس وقت دور ہو گا جب وہ ایک قیدی کی حیثیت سے میرے سامنے کھڑا ہو گا اور اسے جاننے والے یہ گواہی دیں گے کہ حامد بن زہرہ یہی ہے"۔

ملکہ نے پریشان ہو کر سوال کیا "کیا یہ بھی ممکن ہے کہ مالٹا والوں نے کسی اور آدمی کو حامد بن زہرہ سمجھ کر گرفتار کر لیا ہو اور ہمارے سفیر نے بھی اس کے متعلق مزید چھان بین کی ضرورت محسوس نہ کی ہو؟"

"نہیں! مالٹا میں ہمارا سفیر ایک ہوشیار آدمی ہے۔ مجھے صرف یہ تشویش ہے کہ ہم نے جو جہاز قیدی کو لانے کے لیے بھیجا تھا اس کی واپسی کے متعلق ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی"

ملکہ نے فکرمند ہو کر کہا "آپ کہتے تھے کہ ترکوں کے جنگی جہاز ان دنوں بحیرہ روم میں گشت کر رہے ہیں۔ خدا نہ کرے ہمارے جہاز کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو!"

فرڈیننڈ نے جواب دیا "اگر ایک جہاز کی قربانی سے وہ خطرات ٹل جائیں جو

ہمیں حامد بن زہرہ کے زندہ واپس آنے کی صورت میں پیش آسکتے ہیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہوگا"۔

"آپ اسے اتنا خطرناک سمجھتے ہیں؟"

فرڈیننڈ نے جواب دیا "کبھی کبھی رات کے سناٹے میں ایک ہی پہریدار کی چیخ سے ساری بستی جاگ اٹھتی ہے۔ یہ میری پہلی ذمہ داری ہے کہ میں جس بستی پر شب خون مارنا چاہتا ہوں وہاں کسی جاگتے ہوئے پہریدار کی چیخیں اس کے حلق سے باہر نہ نکل سکیں اور ہمیں ایک جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے"۔

ملکہ آزردہ ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے ہاتھ سے کوئی خوبصورت کھلونا چھینا جا رہا ہو۔

فرڈیننڈ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "ازابیلا! میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نیا سال شروع ہوتے ہی آپ کو غرناطہ کا تحفہ پیش کر سکوں گا۔ تاہم بعض جنگی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں جن کا علم صرف سپہ سالار تک محدود رہنا چاہیے۔ میرے دل میں کئی ایسی باتیں ہیں جو میں نے ابھی تک آپ پر ظاہر نہیں کیں۔ اس لیے نہیں کہ میں کسی مسئلہ میں آپ کو اعتماد میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ بلکہ میری خواہش یہ تھی کہ میں کسی دن اچانک خوشخبری سناؤں اور آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشی ہو"۔

ازابیلا کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ اٹھ کر چند قدم آگے بڑھی اور فرڈیننڈ نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ وادی کے نشیب و فراز سے ذرا آگے دیکھنے کی کوشش کریں!"

ملکہ چند ثانیے بغور دیکھتی رہی پھر اس نے کہا "وہاں بہت سے آدمی نظر آتے ہیں لیکن وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ سڑک کی مرمت کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ یہ کام گزشتہ

تین دن سے ہو رہا ہے اور اگر آپ کی نگاہ ایک میل اور آگے دیکھ سکے تو وہاں آپ کو غرناطہ کے آدمی دکھائی دیں گے جنہوں نے اپنے حصے کا کام قریباً ختم کر دیا ہے"۔

ملکہ نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا "آپ کا مطلب ہے ابو القاسم نے انہیں ہماری فتح کا راستہ کشادہ اور ہموار کرنے کے کام پر لگا دیا ہے؟"

فرڈی نینڈ نے جواب دیا "ابو القاسم نے اہل غرناطہ کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ انہیں سینٹا فے سے رسد خریدنے کی اجازت ملنے والی ہے اور وہ یہاں آ کر اپنی مصنوعات بھی فروخت کر سکیں گے۔ اب ذرا اس طرف چلیے!"

زبیلا فرڈی نینڈ کے ساتھ ٹیلے کے دوسرے کونے کے قریب پہنچی تو اس نے کہا "شمال اور مغرب کی سمتوں سے سینٹا فے کی طرف آنے والے راستوں پر نظر دوڑائیے۔ آپ نے ان راستوں پر اتنی بیل گاڑیاں پہلے کبھی نہ دیکھی ہوں گی"۔

"لیکن وہ کیا کر رہے ہیں؟" ملکہ نے ادھر دیکھنے کے بعد پوچھا۔

فرڈی نینڈ نے مسکرا کر جواب دیا "غلہ، پھل، سبزیاں، ایندھن، گھاس، مرغیاں، انڈے اور شاید آپ کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی نظر آ جائیں۔ کل میں نے حکم دیا تھا کہ دو دن کے اندر اندر سینٹا فے کو بہت بڑی منڈی بن جانا چاہیے اور ابو القاسم کو یہ پیغام مل چکا ہے کہ پرسوں ہم سینٹا فے کا راستہ کھول دیں گے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میں یہ کام ذرا دیر سے کر رہا ہوں"۔

ملکہ بڑی مشکل سے اپنی پریشانی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا:

"کیا آپ وقتی تجارت کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! میں اس بات کا عملی ثبوت دینا چاہتا ہوں کہ قسطلہ کی رحمدل ملکہ کو اپنی نئی رعایا کا بھوکوں مرنا پسند نہیں ویسے زیمنیس یقیناً اسے پسند کرے گا"۔

ملکہ نے کہا "میرا تو خیال ہے کہ وہ ایسی باتیں سن کر خودکشی پر آمادہ ہو جائے

گا"۔

فرڈینینڈ مسکرایا "کیا اس سے یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ اہل غرناطہ کو چند دن پیٹ بھر خوراک مہیا کرنے کے عوض انہیں دائمی غربت و افلاس کے جہنم میں جھونک دینے کا سودا ہمارے لیے مہنگا نہیں۔ آپ حیران ہوں گی کہ یہ تجویز بھی ابوالقاسم نے پیش کی تھی اسے یہ شکایت ہے کہ اگر اہل غرناطہ جنوب کے پہاڑی علاقوں سے رسد حاصل کرتے رہے تو قبائل کے ساتھ ان کے روابط گہرے ہوتے جائیں گے۔ میں نے ان کی یہ شکایت دور کر دی ہے اب ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اہل غرناطہ کو کھانے پینے کا سامان انتہائی مناسب قیمتوں پر دیا جائے۔ بھوکا انسان پیٹ بھرنے کے بعد لڑنے کی بجائے آرام سے سونا زیادہ پسند کرتا ہے"۔

ملکہ نے کہا "اگر مجھے ان منصوبوں کا علم ہوتا تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتی۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے دشمن آٹھ سو سال اس ملک پر حکومت کرنے کے بعد اپنے مستقبل سے اتنے بے خبر ہیں۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ ہمارے لیے غرناطہ کے دروازے کھل جائیں گے تو ان کا یوم حساب شروع ہو جائے گا؟"

فرڈینینڈ نے جواب دیا "وہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو وہ اپنی سلامتی کے سیدھے راستے سے انحراف کے بہانے تلاش کرتی ہے اور ہمیشہ خود کو یہ فریب دیتی ہے کہ اس کے حیلے اس کی قوت و توانائی کا نعم البدل ہو سکتے ہیں اور قوموں کی اخلاقی انحطاط کا آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بقا کی جدوجہد کے بجائے خودکشی کر لینا زیادہ آسان سمجھتی ہیں۔ آج یہی حالت ہمارے دشمن کی ہے۔ وہ اجتماعی زندگی کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے اجتماعی ہلاکت کے خطرے سے آنکھیں بند کر لینا زیادہ آسان سمجھتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ جن آدمیوں کی ذہانت اور مکاری کو وہ اپنا آخری سہارا سمجھتے ہیں وہی اپنے مستقبل

ہمارے ساتھ وہ بستہ کر چکے ہیں۔"

زبیل نے کہا "ابوعبداللہ کو یہ معلوم ہے کہ چند ہفتوں کے بعد اس کی بادشاہت ختم ہو جائے گی اور اس کے عوض البجارہ میں ایک چھوٹا سا علاقہ حاصل کرنے کے بعد بھی اس کی حیثیت ایک معمولی جاگیردار کی ہو گی۔ ہم جب چاہیں گے اسے ملک سے باہر نکال دیں گے۔ ابوالقاسم کو بھی یہ خوش فہمی نہیں ہو سکتی کہ جب ابو عبداللہ کی بادشاہت ختم ہو جائے گی تو اس کی وزارت باقی رہے گی پھر وہ کس امید پر یہ کھیل کھیل رہے ہیں؟"

فرڈی نینڈ مسکرا دیا "کھیل صرف میرا ہے وہ دونوں تو شطرنج کے مہرے ہیں ابوعبداللہ ان لوگوں میں سے ہے جو نزع کے عالم میں بھی موت کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ابوالقاسم جیسے عیار آدمی کے لیے اسے یہ اطمینان دلانا مشکل نہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اسی کے فائدے کے لیے ہے۔ جب متارکۂ جنگ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اسے ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی کم از کم ایک سال کے لیے الحمرا کے شاہی محلات اور قلعے سے بے دخل نہ کیا جائے"۔

"اور آپ نے میرے احتجاج کے باوجود تسلیم کر لیا تھا"

"آپ کو احتجاج کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ جب ہمارا لشکر غرناطہ میں داخل ہو گا تو ابوعبداللہ الحمرا میں نہیں ہو گا"۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہے ہم کس بہانے اپنے تحریری معاہدے کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں؟ ملکہ نے حیران ہو کر سوال کیا۔

ہمیں کسی بہانے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ جب وقت آئے گا تو ابوالقاسم ایک دن کے اندر اندر ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ وہ رضا کارانہ طور پر الحمرا سے

نکل جائے۔ لیکن سردست اُسے خود فریبی میں مبتلا رکھنا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں اس کا کوئی مطالبہ رد نہیں کرتا بلکہ اسکے ایلچیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم اُسے اور بہت کچھ دینا چاہتے ہیں۔ معاہدے کے دوسرے روز ہی میں نے اسے یہ خفیہ پیغام بھیج دیا تھا کہ غرناطہ کی مسلم رعایا کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مجھے ان میں سے ایک نائب السلطنت تلاش کرنا پڑے گا اور اب وہ بے وقوف یہ سمجھتا ہے کہ البجارہ میں سے جاگیر دینے کے اعلان سے میرا مقصد صرف اس کی وفاداری کا امتحان لینا تھا۔ ورنہ میں اسے اپنا نائب السلطنت بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ وہ خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے اور میں اسے خود فریبی میں مبتلا رکھنا چاہتا ہوں"۔

فرڈی نینڈ چند ثانیے داد طلب نگاہوں سے ملکہ کی طرف تکتا رہا پھر وہ اطمینان سے کہنے لگا "جہاں تک ابوالقاسم کا تعلق ہے مجھے اس سے کوئی وعدہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی قوم کی کشتی گرداب میں دیکھ کر ہماری کشتی میں سوار ہوا ہے اور وہ یہ سمجھ چکا ہے کہ اب اسے زندہ رہنے کے لیے بھی ہمارے سہارے کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ اپنی قوم سے غداری میں اتنا آگے جا چکا ہے کہ اب اس کے لیے واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ مطمئن ہو گئی ہوں گی"۔

"ہاں" ملکہ مسکرائی "اب مجھے ہر طرح کا اطمینان محسوس ہو رہا ہے کہ میری تمام دعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ آج میں فادر ٹریمنس کو یہ لکھوں گی کہ میرے شوہر کو سیاسی اور جنگی معاملات میں آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ آپ کو صرف دعا کرنی چاہیے۔ کاش آج حامد بن زہرہ کے متعلق بھی ہمیں کوئی اطلاع مل جائے"۔

فرڈی نینڈ نے کہا "آپ کو اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں نے کئی دن پہلے یہ سوچ لیا تھا کہ اہل غرناطہ کو اگر کوئی رہنما مل گیا تو اس نے عوام کو

ابوعبداللہ ور ابو لقاسم کے خلاف مشتعل کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ہل بر بر یڈ ترکوں کے چند دستے بھی ن کی امانت کے لیے پہنچ گئے تو ہمارے یہ سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے“۔

ملکہ مضطرب ہو کر شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔ ”آپ نے اس کا علاج کیا سوچا ہے ؟“

”میں آپ کو یہ مژدہ سنا سکتا ہوں کہ میں ان خطرات کا سدباب کر چکا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ بندی کا معاہدہ کرتے ہی میں نے یہاں سے تھوڑی دور مغرب کی طرف فوج کے لیے ایک نیا مستقر تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا ب سینکڑوں آدمی وہاں رات دن کام کر رہے ہیں“۔

”ہاں! لیکن ب بھی میں سمجھتی ہوں کہ وہ تنگ وادی فوج کے لیے قطعاً موزوں نہیں۔ ور پھر جب آپ غرناطہ کی فتح کو اس قدر یقینی سمجھتے ہیں تو ہمیں مزید لشکر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ پھر وہاں اس عارضی چھاؤنی تعمیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”گر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جب یہ چھاؤنی تعمیر ہو جائے گی تو غرناطہ کی کنجی آپ کے ہاتھوں میں ہو گی تو آپ یقین کر لیں گی؟“

ملکہ نے شکایت کے لہجے میں کہا ”آپ کوئی اچھی خبر سنانے سے پہلے میری ذہانت کا کا امتحان لینا کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔ خدا کے لیے بتایئے نا، وہاں کیا ہونے والا ہے؟“

فرڈی نینڈ چند ثانیے کے لیے فاتحانہ انداز سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کہا ”میں پنی فوج کے لیے کوئی نیا پڑاؤ نہیں بلکہ دشمن کے لیے یک پنجرہ تیار کر رہا ہوں جس میں غرناطہ کی روح آزادی بند کر دی جائے گی۔ اس مہینے کے ختم سے پہلے غرناطہ کے چار سو افسر یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے کر دیے جائیں گے

اور یہ چار سو آدمی فوج کے علاوہ ان بااثر خاندانوں سے منتخب کیے جائیں گے جن کی تائید و حمایت کے بغیر غرناطہ کے اندر کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی"۔

زبیلا چند ثانیے دم بخود ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا "آپ کا مطلب ہے کہ ابو عبداللہ اور اس کا وزیر انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ کر ہمارے حوالے کر دیں گے؟ فوج اور عوام کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہو گی؟"

"نہیں! یہ ابو القاسم کی ذمہ داری ہے کہ وہاں کوئی مزاحمت نہ ہو اور وہ اس ذمہ داری سے اس صورت میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے کہ اہل غرناطہ کو امن کی طرف مائل کرنے میں میری تجویز کامیاب ہو۔ تجارت کا راستہ کھولنے اور فوری طور پر انہیں زندگی کی ضروریات مہیا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ وہ ہمیں دشمن کے بجائے محسن خیال کریں"۔

"چار سو معزز انسان"۔

"ہاں چار سو ایسے انسان جنہیں زندہ واپس لانے کا مسئلہ ان کے ہزاروں عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے غرناطہ کی آزادی یا غلامی کے مسائل سے زیادہ اہم بن جائے گا اور ہم ان سے اپنی ہر بات منوا سکیں گے"

ملکہ نے کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ ابو القاسم آپ کا یہ مطالبہ مان لے گا اور عوام سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرے گا؟"

"وہ یہ مطالبہ تسلیم کر چکا ہے اور اس کے نزدیک عوام سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر کوئی سرپھرا انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کرے تو بااثر لوگ اسے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی سلامتی کا دشمن سمجھ کر اس پر تلواریں سونت لیں""۔

زبیلا نے کہا "اب رہنیس کے خط کے متعلق ہمیں کسی بحث کی ضرورت باقی

نہیں رہی۔ ان کا ایلچی واپس جانے کے لیے سخت بے چین ہے۔ اگر آپ اسے چند منٹ دے سکیں تو اسے کل صبح رخصت کر دیا جائے“۔

”میں کل اسے ملاقات کے لیے بلا لوں گا۔ آج میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے ابو القاسم کے ایلچی کا انتظار ہے“۔

☆☆☆

ماضی کے اجالے اور مستقبل کے اندھیرے

پہاڑ کے دامن میں ایک بستی کے تین اطراف پھیلے ہوئے باغات میں خزاں کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ جنوب کی سمت سیرانوادا کی بلند چوٹیوں پر دور دور تک پہلی برف باری ہو چکی تھی۔

سلمیٰ اپنے قلعہ نما مکان کی چھت پر دھوپ میں لیٹی ہوئی تھی۔ پچاس سال کی عمر میں بھی اس کے چہرے پر جوانی کی تازگی تھی۔ عاتکہ ایک چودہ پندرہ سال کی تندرست لڑکی جس کا ذہین اور خوبصورت چہرہ عرب، بربر اور ہسپانیہ کی بہترین نسوانی خصوصیات کا آئینہ دار تھا، ہاتھ میں کتاب لیے زینے سے نمودار ہوئی اور آگے بڑھ کر سلمیٰ کے پاس قالین پر بیٹھ گئی۔

"چچی جان!" اس نے کتاب کھولتے ہوئے کہا "میں سعید کے گھر کتاب لینے گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جلد واپس آ جاؤں گی لیکن زبیدہ سے باتیں کرنے میں دیر ہو گئی۔ سعید ابھی تک غرناطہ سے واپس نہیں آیا۔ منصور بہت مغموم تھا۔ جعفر اور زبیدہ بھی خاصے پریشان تھے۔ جعفر کہتا تھا کہ اگر وہ شام تک واپس نہ آیا تو میں خود غرناطہ جا کر پتا چلاؤں گا۔ اُسے خدشہ ہے کہ کہیں غرناطہ کی آزادی کا سودا کرنے والے اسے بھی عیسائیوں کے حوالے نہ کر دیں"۔

سلمیٰ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے نوعمر لڑکی کو تسلی دیتے ہوئے کہا "عاتکہ مجھے معلوم ہے کہ سعید کے متعلق اس کے بھانجے اور نوکروں کی نسبت تم کہیں زیادہ پریشان ہو۔ لیکن تمہیں اطمینان رکھنا چاہیے۔ عنقریب ابو عبداللہ کے چار سو آدمیوں کو یرغمال کے طور پر فرڈی نینڈ کے حوالے کر دے گا۔ اس کے بعد یہ خدشہ نہیں ہو سکتا کہ اہل غرناطہ معاہدہ صلح کے خلاف کسی کو زبان کھولنے کی اجازت دیں۔ ہماری بستی میں انہیں تمہارے چچا کے متعلق پریشانی تھی۔ اس لیے غرناطہ کے اکابر کو اصرار تھا کہ یرغمالوں میں ان کو اور عبید کو شامل کرنا ضروری ہے۔ تاہم یہ کوشش ہو رہی ہے کہ عمر کی طرح نہیں

بھی فہرست سے نکال دیا جائے"۔

عاتکہ نے کہا "چچی جان! میں سعید کے متعلق اس لیے پریشان ہوں کہ اس کے سوا منصور کا کوئی سہارا نہیں"۔

سلمیٰ نے کہا "بیٹی! میں تمہارے چچا سے کہوں گی کہ وہ کسی نوکر کو غرناطہ بھیج کر اس کے متعلق پتا چلائیں۔ لیکن تمہیں بار بار سعید کے گھر نہیں جانا چاہیے۔ اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ سعید بڑا اچھا لڑکا ہے اور تمہارے چچا بھی اسے بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں لیکن عمیر پسند نہیں کرتا کہ تم اس کے ساتھ میل جول رکھو"۔

عاتکہ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور اس نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "اور آپ کو معلوم ہے کہ میں عمیر کا نام سننا پسند نہیں کرتی"۔

سلمیٰ مسکرائی "مجھے معلوم ہے اور مجھے خود بھی اس کی عادت پسند نہیں۔ لیکن تمہارے چچا سے عبید اور امین سے زیادہ پیار کا مستحق سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو ممکن ہے وہ تمہیں اس قدر قابل نفرت نظر نہ آئے"۔

"چچی جان! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"بیٹی میرا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں کوئی مجبور کر سکتا ہے۔ لیکن تمہارے چچا جان کہتے تھے کہ عمیر چند دن تک گھر پہنچ جائے گا اس کی موجودگی کا تمہیں ذرا احتیاط برتنی پڑے گی۔ یوں بھی اب تمہارا گھر سے نکلنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں جعفر کی بیوی سے کہوں گی کہ وہ ہمارے گھر آجایا کرے"۔

عاتکہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا "اگر چچا جان عمیر کی سفارش کر سکتے ہیں تو بھائی امین اور عبید نے کیا قصور کیا تھا؟"

سلمیٰ نے جواب دیا "وہ انہیں بھی بچانا چاہتے تھے لیکن ابوالقاسم نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ کے تینوں بیٹے نکال لیے جائیں تو دوسرے بھی یہی مطالبہ کریں گے۔ اس لیے ان میں سے صرف ایک کو روک لینے کا وعدہ کر سکتا ہوں"۔

عاتکہ نے کہا ”اور چچا جان نے امین یا عبید کے بجائے عمیر کا نام پیش کر دیا؟“

”ہاں امیر کا سوتیلا بیٹا ان کی کمزوری ہے“۔

”اور اس کی ماں بھی ان کی ایک بہت بڑی کمزوری تھی“۔

سلمیٰ نے کہا ”ہاں بیٹی! وہ میرے لیے ایک قیامت تھی۔ اگر تمہارے چچا کو حامد بن زہرہ کی مذمت کا خوف نہ ہوتا تو اس گھر میں میرا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن اب وہ مر چکی ہے اور ہمیں اس کے لیے دعا کرنی چاہیے“۔

عاتکہ نے کہا ”زبیدہ کہتی تھی کہ وہ اشبیلیہ کے کسی یہودی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے والدین غرناطہ میں پناہ لینے کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ ابا جان کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اور امی جان بھی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں“۔

”بیٹی! تمہارے والدین میرے طرف دار تھے اور ایک مرتبہ جب انہیں معلوم ہوا کہ تمہارے چچا میرے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تو وہ ہمیں غرناطہ لے گئے۔ تمہارے چچا، ابا سے صرف ڈیڑھ سال چھوٹے تھے لیکن نصیر کے سامنے ان کی پیش نہیں جاتی تھی۔ وہ بہت جابر تھا۔ اس علاقے کا کوئی آدمی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتا۔

عاتکہ! جب تمہیں غصہ آتا ہے تو تمہارا چہرہ بھی اسی طرح تمتما اٹھتا ہے اور تمہاری آنکھیں تو بالکل نصیر جیسی ہیں۔

”چچی جان! مجھے ان دنوں کا تھوڑا تھوڑا ہوش ہے۔ لیکن آپ جلد ہی غرناطہ واپس آ گئی تھیں“۔

”ہاں عمیر کی ماں کی وفات کے بعد تمہارے چچا کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا اور مجھے ان کے ساتھ واپس آنا پڑا“۔

”چچی جان! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں؟“

"پوچھو!"

"کیا یہ ممکن ہے کہ چچا جان دشمن کی غلامی پر مطمئن ہو جائیں؟"

"نہیں بیٹی وہ آدمی جس کے تین بھائی شہید ہو چکے ہوں، جس کے جسم پر زخموں کے کئی نشان موجود ہوں اور ایک ہاتھ بھی کٹ چکا ہو وہ عیسائیوں کی غلامی پر کیسے رضامند ہو سکتا ہے؟"

"لیکن انہوں نے اپنے بیٹوں کو یرغمال بنا کر بھیج دیا ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ دل سے اہل غرناطہ کی شکست تسلیم کر چکے ہیں"۔

سلمیٰ نے جواب دیا "یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ابو عبداللہ اور اس کے مشیر متارکۂ جنگ کی مدت ختم ہونے سے قبل چار سو آدمیوں کو یرغمال کے طور پر عیسائیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ کاش! تمہارے چچا کو غرناطہ کے کاروبارِ حکومت کا فیصلہ رد کرنے کا اختیار ہوتا!"

عاتکہ نے کہا "چچی جان! فرض کر لیجیے کہ اگر حامد بن زہرہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اور ہمیں کسی دن اچانک یہ اطلاع ملے کہ اہل مراکش مصریوں یا ترکوں کا بیڑہ ہماری مدد کے لیے اندلس کا رخ کر رہا ہے تو چچا جان کیا کریں گے؟ سعید کہتا تھا کہ اندلس کے مسلمان پھر کسی یوسف بن تاشفین کے منتظر ہیں۔ اسے یقین ہے کہ حامد بن زہرہ ناکام واپس نہیں آئیں گے"۔

سلمیٰ چند ثانیے کرب کی حالت میں عاتکہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ سعدم کے مجاہد میدان میں نکل آئیں گے تو تمہارے چچا کو اندلس کی آزادی کی بجائے اپنے بیٹوں کی جان بچانے کی فکر ہوگی۔ لیکن اب امیدوں کے سارے چراغ بجھ چکے ہیں۔ اب باہر سے کوئی ہماری اعانت کے لیے نہیں آئے گا۔ ہم سے پہلے قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے مسلمان یہی خواب دیکھا کرتے تھے کہ قدرت کا کوئی معجزہ نہیں

عیسائیوں کی غلامی سے بچالے گا۔ لیکن اس دنیا میں لوگوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت کے سامان پیدا کیے تھے"۔

یوسف بن تاشفین ان لوگوں کی قربانیوں کا صلہ اور انعام تھا، جنہوں نے طوفانوں میں امید کے چراغ جلائے تھے۔ اس مرد مجاہد نے ان صدائے حق کی دعوت پر لبیک کہا تھا، جو اسلام کی سربلندی کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیا کرتے تھے۔ اس زمانے کے ملوک الطوائف گمراہی کا راستہ اختیار کر چکے تھے۔ ان کی باہمی رقابتوں نے اندلس کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا تھا لیکن قوم کا سواد اعظم اپنے حال و مستقبل سے غافل نہ تھا۔ عوام اپنی آزادی کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کو پہچانتے تھے اور ان کی صفوں میں وہ راہنما موجود تھے، جو گروہوں، قبیلوں اور نسلوں کے درمیان ابھرنے والی منافرت کی دیواریں توڑ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب یوسف بن تاشفین نے اندلس کے ساحل پر قدم رکھا تو پوری قوم اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ عوام کا اجتماعی شعور اس قدر بیدار تھا کہ ملوک الطوائف بھی اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن غرناطہ کے امراء آج امن کے لیے اپنی آزادی کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔ عوام کے اجتماعی احساس کی دولت لٹ چکی ہے اور ہمارے علماء اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ جب فرڈی نینڈ غرناطہ پر قابض ہو جائے گا تو وہ آرام کی نیند سو سکیں گے۔ غازیان اسلام نے اپنا خون پیش کیا تھا لیکن اہل غرناطہ اس مقدس خون سے اپنی آزادی کا چراغ روشن نہ کر سکے۔ اگر اس قوم میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوتی تو موسیٰ بن ابی غسان کے حوصلے اس کے لیے ایک آہنی حصار کا کام دے سکتے تھے۔ لیکن جب وہ عظیم مجاہد اپنی آخری تقریر کے بعد ابو عبداللہ کے دربار سے نکل رہا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں"۔

عاتکہ نے کہا "چچی جان! ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بدر

بن مغیرہ اپنے مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ ابھی تک برسرپیکار ہے۔ اور دشمن کی قوت کی حدت بھی اس کے حوصلے پست نہیں کر سکی۔ جب کہ عقاب کی وادی چاروں طرف سے گھیرے میں آ چکی ہے"۔

"مجھے معلوم ہے لیکن یہ مٹھی بھر مجاہدین پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ نہیں ادا کر سکتے۔ تمہارے چچا کہتے تھے کہ عقاب کی وادی غرناطہ سے کٹ چکی ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اب کیسے حوصلہ شکن حالات میں دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کی رگوں میں کتنا خون باقی رہ گیا ہے۔ اور اس خون سے وہ کتنی مدت تک اپنی آزادی کے چراغ روشن رکھ سکیں گے، ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے غلامی کے بجائے شہادت کا راستہ اختیار کیا ہے اور وہ ان انسانی عظمتوں کے امین ہیں، جو ایک مردِ مومن کو فتح و شکست سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اہل غرناطہ میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ان کی تقلید کر سکیں۔ ہم صرف زندہ رہنا چاہتے ہیں اور زندگی ہم سے اپنا دامن چھڑا رہی ہے۔ ہماری حالت اس انسان کی سی ہے، جو موت کے خوف سے خود اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اہل غرناطہ کی بے حسی کا اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ موسیٰ جیسے اولوالعزم سپاہی کی چیخیں بھی ان کے ضمیر کو بیدار نہ کر سکیں اور جب وہ شہادت کی تمنا لے کر ابوعبداللہ کے دربار سے نکلا تھا تو تنہا تھا"۔

عاتکہ نے کہا۔ "لیکن غرناطہ کے چند امراء اور علماء پوری قوم کی قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو صرف کسی حوصلہ دینے والے کی ضرورت ہے۔ خدا کرے حامد بن زہرہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ پھر آپ دیکھیں گی کہ میرنودا کے دامن میں مسلمانوں کی ہر بستی حریت پسندوں کا قلعہ بن چکی ہے اور غرناطہ کے عوام بھی جاگ اٹھے ہیں۔ سعید کہتا تھا کہ غرناطہ کے عوام اب بھی کسی اشارے کے منتظر ہیں"۔

"غرناطہ کے عوام اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب فرڈی نینڈ الحمرا میں داخل

ہوگا ورچند ہفتوں کے بعد ان کے مقدر کی وہ تاریک رات شروع ہو جائے گی جس کے لیے کوئی سحر نہیں ہو گی۔ اللہ سے دعائیں مانگو کہ اگر اس ملک سے باہر ہمارا کوئی مددگار ہے تو وہ جنگ بندی کی مدت کے اختتام سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائے۔ جہاں تک ہل غرناطہ کا تعلق ہے انہیں تو اس بات کا بھی یقین نہیں رہا کہ حامد بن زہرہ زندہ ہے"۔

"خدا کے لیے یہ نہ کہیے۔ وہ زندہ ہیں۔ وہ ضرور آئیں گے"۔

"بیٹی میں تمہیں موہوم امیدوں کے چراغ جلانے سے نہیں روک سکتی۔ لیکن میری نگاہوں کے سامنے ایسی تاریکیاں ہیں کہ میں کسی طرح بھی روشنی کا تصور نہیں کر سکتی"۔

"چچی جان! میں فرڈی نینڈ کی غلامی نہیں دیکھ سکوں گی جس دن مجھے یقین ہو جائے گا کہ اب ہمارے لیے غلامی کا کوئی چارہ نہیں تو میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میں چچا ماموں کے پاس چلی جاؤں گی اور البجارہ کے حریت پسندوں کے ساتھ بھوکا رہنا پسند کروں گی۔ ابا جان کہا کرتے تھے کہ اس دنیا میں ایک مسلمان کے لیے آزادی کی زندگی سے بڑا انعام شہادت کی موت ہے!" عاتکہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ اچانک اٹھی اور آنسو پونچھتی ہوئی چھت کے کنارے پر پہنچ کر جنوب مشرق کی طرف سیرا نوادا کی برفانی چوٹیوں کی طرف دیکھنے لگی۔

سلمیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا "عاتکہ آؤ اب ہوا سرد ہو رہی ہے!" عاتکہ نے مڑ کر دیکھے بغیر جواب دیا "چچی جان آپ چلیے میں ابھی آتی ہوں"۔

سلمیٰ زینے کی طرف چل پڑی۔

عاتکہ تھوڑی دیر بعد دائیں طرف مڑی اور چھت کے دوسرے کنارے ایک گز اونچی منڈیر پر کہنیاں ٹیک کر مغرب کی طرف دیکھنے لگی اور ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی۔

اب اس کے سامنے وہ کھڈ تھا جو اس پہاڑی بستی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا شمال کی وادی کے نشیب میں ایک ندی کے کنارے تک چلا جاتا تھا۔ کھڈ زیادہ گہرا نہ تھا۔ بستی کے دونوں حصوں کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آمد و رفت کے تنگ راستے موجود تھے۔ لیکن سواروں کو یا تو وادی کے نشیب سے اس کھڈ کے دونوں کناروں پر جدا جدا راستوں سے آنا پڑتا تھا یا کوئی نصف میل اوپر اس پہاڑی پر سے گزرنا پڑتا تھا جہاں سے یہ کھڈ شروع ہوتا تھا۔ اس کی نگاہیں کھڈ کے دوسرے کنارے پر ایک مکان پر مرکوز تھیں اور وہ ان دنوں کا تصور کر رہی تھی جب وہ بچی ماں کی انگلی پکڑ کر وہاں جایا کرتی تھی۔

یہ محمد بن عبدالرحمن کا گھر تھا۔ اس کی بیوی آمنہ اس کی ماں کی سہیلی تھی اور بستی کے لوگ کہا کرتے تھے کہ اس کا باپ حامد بن زہرہ غرناطہ کا بہت بڑا عالم ہے۔ عاتکہ کے باپ کو اس کے ساتھ بہت عقیدت تھی تو حامد بن زہرہ کا گھرانہ ان سے بہت قریب تھا۔ سعید حامد کا تیسرا بیٹا اس سے صرف تین سال بڑا تھا اور اس کے کھیل کود کا زمانہ اس کی رفاقت میں گزرا تھا۔ سعید کے دو بڑے بھائی جنگ کے ابتدائی ایام میں شہید ہو چکے تھے اور عاتکہ کے والدین ان کے مجاہدانہ کارناموں اور بوڑھے باپ کے صبر و استقلال کی داستانیں بیان کیا کرتے تھے۔

حامد بن زہرہ کے گھر میں عاتکہ کے لیے سب سے بڑی دلچسپی اور کشش اس کی بیٹی آمنہ تھی جسے وہ خالہ کہا کرتی تھی۔ آمنہ اپنے گھر میں پڑوس کی لڑکیوں کو تعلیم دیا کرتی تھی اور پانچ سال کی عمر میں عاتکہ بھی اس کی شاگرد بن چکی تھی۔

محمد بن عبدالرحمن اسی بستی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ نصیر سے چند سال چھوٹا تھا اور جب کبھی اُسے غرناطہ جانے کا موقعہ ملتا تو نصیر کے ہاں ضرور جاتا۔ پھر نصیر کی بدولت حامد بن زہرہ کے ساتھ اس کے تعلقات استوار ہوئے اور ایک دن اس نے یہ خبر سنی کہ اس کی خوب صورت استانی جسے وہ خالہ کہا کرتی تھی محمد

عبد رحمن کی رفیق حیات بننے والی ہے۔

جب وہ چھ برس کی تھی تو نصیر کو ایک سرحدی قلعہ کی کمان سونپی گئی اور اس نے عاتکہ اور اس کی ماں کو اس بستی میں پہنچا دیا۔ شادی سے چند ماہ بعد محمد بن عبد رحمن بھی اپنی بیوی کو گھر چھوڑ کر محاذ پر چلا گیا۔ اس کی رخصت کے دو ماہ بعد منصور پیدا ہوا۔

حامد بن زہرہ نے اپنے وفادار نوکر جعفر اور اس کی بیوی زبیدہ کو آمنہ کے گھر بھیج دیا تھا۔ عاتکہ غرناطہ کی طرح اس گاؤں میں بھی آمنہ سے تعلیم حاصل کیا کرتی تھی اور اس کی دیکھا دیکھی گاؤں کے دوسرے لوگوں نے بھی اپنی بچیوں کو آمنہ کے گھر بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے مکان کی نچلی منزل ایک مدرسے میں تبدیل ہو چکی تھی۔

سعید غرناطہ سے کبھی حامد بن زہرہ اور کبھی کسی نوکر کے ساتھ اپنی بہن کے پاس آتا تو اس کی چھوٹی سی دنیا مسرتوں سے لبریز ہو جاتی۔ وہ صبح ہوتے ہی آمنہ کے گھر پہنچ جاتی۔ اگر مکان کا پھاٹک بند ہوتا تو چچا جعفر کو آواز دیتی۔ جعفر مسکراتا ہوا دروازہ کھولتا۔ وہ بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوتی "سعید' سعید" پکارتی اور سعید کہیں چھپ جاتا۔ وہ آمنہ کے پاس جاتی "خالہ جان سعید کہاں ہے؟" آمنہ انجان بن کر ادھر ادھر دیکھتی۔ عاتکہ مکان کا ایک ایک کونا چھان مارتی اور پھر چاروں طرف گھر قہقہوں سے گونجنے لگتا۔ اسے بستی میں سعید کے قیام کے دن انتہائی خوشگوار محسوس ہوا کرتے تھے۔ جب مکتب سے چھٹی ملتی تو باقی سارا دن وہ اس کی رفاقت میں گزار دیتی۔ کبھی وہ اسے اپنے گھر لے جاتی اور وہاں سے وہ دوسرے بچوں کے ساتھ گاؤں سے باہر باغات' ندی یا بلند پہاڑیوں کی طرف نکل جاتے۔

پھر ذرا بڑے ہو کر وہ گھوڑوں پر سواری کیا کرتے تھے۔ سعید دس سال کی عمر میں ایک اچھا خاصا سوار بن چکا تھا اور وہ اسے خطرناک راستوں پر گھوڑا دوڑاتے دیکھ کر اپنی ماں سے اصرار کیا کرتی تھی کہ میں بھی سواری کروں گی۔ عاتکہ کچھ عرصہ سے

ناتی رہی لیکن جب اس نے بہت ضد کی تو اسے اس شرط پر سواری کی اجازت مل گئی کہ نوکر گھوڑی کی باگ پکڑ کر اس کے ساتھ چلا کرے گا۔

ایک بار نصیر چند دن کی رخصت پر گھر آیا اس نے اپنی بیٹی کا شوق دیکھ کر اسے ایک چھوٹی سی گھوڑی خرید کر دی اور تین دن بعد وہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا کہ اب ہماری بیٹی کو کسی نوکر کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اگلی صبح نصیر گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کے لیے نکلا تو باغ تک اس کے ساتھ تھی۔ اس کے بعد سعید جب بھی کبھی گاؤں میں آتا تو وہ اس کی رفاقت میں سواری کی مشق کیا کرتی تھی۔

پھر یہ دن بھی ایک سہانے خواب کی طرح گزر گئے اور اس کو یوں محسوس ہونے لگا کہ سن شعور کی ابتدا کے ساتھ وہ زندگی کے چہرے پر جو مسکراہٹیں دیکھنے کی عادی تھی اب آہستہ آہستہ اپنا دامن سمیٹ رہی ہیں۔ کھنڈ کے پار وہ گھر اب بھی اس کی نگاہوں کے سامنے تھا لیکن حامد بن زہرہ کی بیٹی اور داماد جسے وہ فخر سے خالہ جان اور خالو جان کہا کرتی تھی۔ وہاں موجود نہ تھے۔

منصور کی پیدائش کے تیسرے سال محمد بن عبدالرحمن جنوب کے محاذ پر جا چکا تھا اور اسے مالقہ کے مشرق میں چند ساحلی مقامات کی حفاظت سونپی گئی تھی۔ ایک دن آمنہ کو یہ اطلاع ملی کہ وہ زخمی ہو چکا ہے اور اسے ساحل سے چند میل دور ایک قلعے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی آمنہ نے اپنے باپ کو یہ خبر بھیجی کہ منصور کو جعفر اور زبیدہ کی حفاظت میں چھوڑ کر اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں۔ عاتکہ اور اس کی ماں بھی منصور کا خیال رکھیں گی تاہم آپ سعید کو بھی چند دن کے لیے یہاں بھیج دیں۔ میں منصور کے باپ کی حالت کے متعلق اطمینان ہوتے ہی واپس آ جاؤں گی۔

اس کے چچا ہاشم نے بستی کے چار سوار آمنہ کے ساتھ روانہ کر دیے اور انہوں نے چند دن بعد آ کر یہ اطلاع دی کہ محمد بن عبدالرحمن کی حالت زیادہ تشویش ناک نہیں تاہم اس کے زخم ایسے ہیں کہ وہ دو تین ہفتے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو سکے

گا۔

وہ ورس کی ماں صبح و شام آمنہ کے گھر جایا کرتی تھیں۔ جب یک ماہ تک کوئی طلاع نہ ملی تو ہاشم نے پنا نوکر روانہ کر دیا۔ لیکن اس کی روانگی کے تیسرے دن اس بستی کا یک مجاہد جنوبی محاذ سے واپس آیا اور اس نے گاؤں کے لوگوں کے سامنے محمد بن عبدالرحمن ور اس کی بیوی کی شہادت کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا

''عیسائیوں نے ساحلی علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد پہاڑی علاقے پر کئی حملے کیے لیکن نہیں کامیابی نہ ہوئی۔ محمد بن عبدالرحمن نے روبہ صحت ہوتے ہی قلعے کے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی ور جوابی حملے کرکے دشمن کو ساحل کی طرف سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اس عرصہ میں دشمن مالقہ پر حملہ کرنے کے لیے مزید فوج ساحل پر اتار چکا تھا یک لشکر ساحلی علاقے کے ساتھ ساتھ مشرق اور دوسرا مغرب کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ سواروں کے دستے مالقہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ چنانچہ مالقہ لے سپہ سالار کو اس پاس کی چوکیاں خالی کرنی پڑیں ور اس نے محمد بن عبدالرحمن کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ باقاعدہ فوج کے ساتھ مالقہ پہنچ جائے ور قلعے کی حفاظت مقامی قبائل کے رضاکاروں کو سونپ دے۔

قلعے کے ندر تین سو سپاہی اور کوئی چالیس عورتیں موجود تھیں۔ محمد بن عبدالرحمن نے غروب آفتاب کے بعد نہیں تیاری کا حکم دیا اور عشا کی نماز کے بعد ہم لوگ مالقہ کا رخ کر رہے تھے۔ ساحل کے کشادہ اور ہموار راستے پر سفر کرنے پر دشمن کے حملے کا خطرہ تھا اس لیے ہم نے پہاڑ کا طویل اور دشوار گزار راستہ ختیار کیا۔ رات کے پچھلے پہر ہم یک تنگ گھاٹی عبور کر رہے تھے کہ اچانک دائیں ہاتھ کی پہاڑی سے تیروں ور پتھروں کی بارش ہونے لگی آن کی آن میں ہمارے کئی آدمی شہید ہوگئے ور کتنے ہی زخمی ہوئے۔ کئی سوار گھوڑوں سمیت سڑک کی دوسری طرف کھڈ میں جا گرے۔ محمد بن عبدالرحمن پوری قوت سے چلا رہا تھا کہ پیدل دستے پہاڑی پر قبضہ کرلیں ور

سو رعورتوں وربچوں کے ساتھ سفر جاری رکھیں لیکن رات کی وحشت ناک تاریکی میں عورتوں بچوں ورزخمیوں کی چیخ وپکار کے باعث اس کی آو ز بے ثر ثابت ہوئی۔''

''خوش قسمتی سے پیچھے آنے والے سپاہیوں نے جو تیروں ورپتھروں کی زد سے محفوظ تھے پنی ذمہ دری محسوس کی اور وہ پہاڑی پر چڑھ گئے۔ رت کی تاریکی میں دشمن کو تلاش کرنا آسان نہ تھا لیکن جب حملہ آوروں کو اپنے عقب میں اللہ کبر کے نعرے سنائی دینے لگے تو وہ بھاگ نکلے۔ تاریکی میں ہمیں زخمیوں ورشہیدوں کی صحیح تعد دمعلوم نہ ہو سکی۔ خاوند اپنی بیویوں کو بچے اپنے و لدین کو ور سپاہی پنے سالاروں کو آو زیں دے رہے تھے لیکن محمد بن عبدالرحمن کا کوئی پتا نہ تھا۔ ہمار خیال تھا کہ عورتوں وربچوں کی حفاظت کرنے والے سواروں کے ساتھ وہ آگے جا چکا ہے۔ نائب سالار نے ایک سوار کو حکم دیا کہ تم آگے جاؤ وروہں کا پتا لگاؤ۔ گر سالارن کے ساتھ ہو تو اسے مشورہ دو کہ ہمارے لیے بر تاریکی میں آگے بڑھنے کی بجائے پہاڑی پر رت گزارنا بہتر ہوگا۔ پھر اس نے اپنے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آس پاس کی بستیوں کے لوگوں کو مدد کے لیے بلا لائیں۔

تھوڑی دیر بعد آگے جانے والے سوار عورتوں اور بچوں کے ساتھ وپس آ گئے ن کی زبانی معلوم ہوا کہ دو میل آگے نالے کا پل ٹوٹا ہو تھا ور چند سو رب خبر کی حالت میں نیچے گر گئے تھے تاہم محمد بن عبدالرحمن اور اسکی بیوی کا کوئی پتا نہیں تھا۔ پو پھٹنے سے پہلے آس پاس کی بستیوں سے سینکڑوں آدمی وہاں پہنچ گئے۔ مشعلوں کی روشنی میں شہیدوں کی لاشوں اور زخمیوں کو تلاش کیا گیا۔ چند آدمی مشعلیں لے کر کھڈ میں تر گئے ورچند نالے کی طرف بھاگے۔ کھڈ میں کوئی چالیس لاشیں بکھری ہوئی تھیں ور آمنہ کی لاش اس کے گھوڑے کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ محمد وہاں نہیں تھا۔ نالے میں گیارہ لاشیں ملیں۔ وہاں پانچ زخمی بھی پڑے ہوئے تھے لیکن محمد وہاں بھی

نہیں تھا۔

پھر صبح ہوئی تو ایک سپاہی نے ایک ٹیلے کی چوٹی سے آواز دی۔

ادھر آؤ! محمد بن عبد الرحمن یہاں ہیں۔

ہم بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے۔ محمد بن عبد الرحمٰن کی لاش ٹیلے کے دوسری طرف پڑی ہوئی تھی اور اس کے گرد دو مسلمان اور پانچ نصرانی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک نصرانی اس سے چند قدم دور دم توڑ رہا تھا۔ محمد بن عبد الرحمن کے جسم پر چندرہ زخم تھے اور تلوار ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ نائب سالار نے اپنی قبا اتار کر اس کے اوپر ڈال دی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا: ''میں آج خدا اور اس کے بندوں کے سامنے شرمسار ہوں۔ مجھے یہ سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا کہ محمد بن عبد الرحمن کسی خطرے سے بھاگ سکتا ہے۔ میں ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ حملہ آور ہمارے پیچھے آنے والے ساتھیوں کے نعرے سن کر بھاگ گیا تھا۔ ایسے لوگوں کی رفاقت میں جینا اور مرنا ایک سعادت ہے۔ اس کی بیوی کی لاش یہاں پہنچا دو''۔

نائب سالار کو معلوم تھا کہ ہم ایک ہی بستی کے رہنے والے ہیں چنانچہ اس نے مجھے حکم دیا کہ تم فوراً روانہ ہو جاؤ اپنے سالار کی تلوار ان کے گھر پہنچا دو''۔

☆☆☆

حامد بن زہرہ اور سعید آمنہ اور اس کے شوہر کی شہادت کی خبر سنتے ہی پہنچ گئے۔ حامد چند دن وہاں رہ کر واپس چلا گیا۔ وہ منصور کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن عاتکہ کی ماں نے اس کی پرورش اپنے ذمے لے لی۔

محمد بن عبد رحمن کے کھیتوں اور باغات کی نگرانی اور گھر کی حفاظت جعفر کے سپرد تھی۔ اس کی بیوی زبیدہ کبھی منصور کا جی بہلانے کیلئے عمارہ کے گھر چلی جاتی تھی اور کبھی اسے اپنے ساتھ لے آتی تھی۔ عمارہ اسے مستقل طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی اور اس نے جعفر کو بھی اپنے نوکروں کے ساتھ رہنے کی دعوت دی تھی لیکن

انہوں نے کہا کہ ہم اپنے آقا کا گھر غیر آباد نہیں ہونے دیں گے۔یہی حالت سعید کی تھی۔وہ عاتکہ اور اسکی ماں کے اصرار کے باوجود چند دن سے زیادہ ان کے گھر نہ ٹھہر سکا۔تاہم وہ اپنے بھانجے کو دیکھنے کے لیے دن میں ایک دو بار ان کے گھر ضرور آتا۔جب وہ واپس جانے لگتا تو منصور اس کے ساتھ جانے کے لیے ضد کرتا۔

عاتکہ کہتی ”ننھے بھائی! میرے پاس نہیں رہو گے؟“

”نہیں میں ماموں کے ساتھ جاؤں گا“۔

”تمہیں کہانیاں کون سنائے گا؟“

”ماموں جان سنائیں گے!“

سعید اسے کندھے پر بٹھا کر چل پڑتا لیکن اپنے گھر پہنچتے ہی اسے عاتکہ کی یاد ستانے لگتی اور وہ تھوڑی دیر بعد اسے واپس لے آتا ”تو عاتکہ سنبھالو اسے!“

وہ پوچھتی ”کیوں منصور! ماموں سے لڑائی ہو گئی“۔

”ہاں!“ وہ منہ بسور کر جواب دیتا۔

”ماموں کہانی نہیں سناتا!“

”میں ماموں سے کہانی نہیں سنوں گا“۔

☆☆☆

ان دنوں کتنے ہی واقعات عاتکہ کے دل پر نقش تھے لیکن زمانے نے ایک اور کروٹ لی اور قہقہوں اور مسکراہٹوں کی یہ حسین دنیا ان آنسوؤں میں ڈوب کر رہ گئی جو قوم کے اجتماعی احساس کے آئینہ دار تھے۔اب مستقبل کے افق پر تاریکیاں چھا رہی تھیں اور گاؤں کے دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں کی طرح سعید اور عاتکہ بھی ان ملت فروشوں کی داستانیں سنا کرتے تھے جن کی بے حسی اور غداری نے غرناطہ کے لشکر اور قبائل کے مجاہدین کی عظیم فتوحات کو شکستوں میں بدل دیا تھا۔

پھر پیہم مصائب کا وہ دور شروع ہوا جب غرناطہ کے گرد فرڈیننڈ کا گھیرا بتدریج

تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

عاتکہ کے باپ نصیر بن عبدالملک جو کئی میدانوں میں داد شجاعت دے چکا تھا اس بستی کے شمال میں کوئی پانچ میل دور ایک قلعے میں اور اس کے دائیں بائیں ان چوکیوں کی کمان مل چکی تھی جن کا مقصد میرا اور میجا اور الجبارہ کی جانب سے غرناطہ کے لیے رسد و کمک کے راستے محفوظ رکھنا تھا۔ نصیر کو یہ اہم ذمہ داری تفویض کیے جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس علاقے کے ایک بااثر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور خطرے کے وقت اپنے ذاتی اثر و رسوخ کے باعث آس پاس کی بستیوں سے ہزاروں رضاکاروں کو باقاعدہ فوج کی مدد کے لیے بلا سکتا تھا۔

عاتکہ کے باپ نے نئی ذمہ داری قبول کرتے ہی پہاڑی قبائل میں جوش جہاد پیدا کرنے کے لیے حامد بن زہرہ کی خدمات کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ وہ غرناطہ کے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ درخواست کی کہ اگر حامد بن زہرہ غرناطہ کی بجائے ہمارے گاؤں کو اپنا مرکز بنا لیں تو سیرا نواڈا تک تمام پہاڑی قبائل ان کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ جب ہمارا گاؤں رضاکاروں کا مستقر بن جائے گا تو غرناطہ کے راستے کی چوکیوں کا عقب زیادہ محفوظ ہو جائے گا۔

حامد بن زہرہ ویسے بھی مجاہدین کا حوصلہ بڑھانے کے لیے گاؤں گاؤں پھرا کرتا تھا۔ اس کے لیے سپہ سالار کا اشارہ کافی تھا۔ چنانچہ وہ غرناطہ چھوڑ کر گاؤں میں آ گیا۔

گاؤں میں چچا ہاشم حامد بن زہرہ کا بہترین معاون ثابت ہوا۔ عاتکہ کے باپ کی طرح وہ بھی حامد بن زہرہ کو برسوں سے جانتا تھا۔ اس کے بڑے بڑے بیٹوں نے فوج میں شامل ہونے سے پہلے دین کی تعلیم حاصل کی۔ غرناطہ میں قیام کے دوران میں اس نے خود بھی کئی بار حامد بن زہرہ کی روح پرور تقریریں سنی تھیں۔ اس لیے جب اس نے اپنے بھائی سے یہ سنا کہ حامد غرناطہ چھوڑ کر اس کے گاؤں میں

آ رہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اس نے اپنے علاقے کے سر کردہ لوگوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ندی کے پار اس مردِ مجاہد کا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو جائیں۔

پھر ماتکہ تصور کی نگاہوں سے وہ روح پرور نظارہ دیکھ رہی تھی جب ہزاروں آدمی ایک والہانہ خوشی کے ساتھ حامد بن زہرہ کا استقبال کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ، اس کی ماں، چچی اور گاؤں کی دوسری عورتیں مکان کی ڈیوڑھی کے قریب مہمان خانے کی چھت سے حامد کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ ہاشم نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور لوگوں کا ہجوم ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ جلوس کا رخ کھڈ کے دوسرے کنارے محمد بن عبدالرحمن کے گھر کی بجائے ہاشم کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پھر وہ ڈیوڑھی کے سامنے رکے، حامد گھوڑے سے اتر کر دائیں طرف ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھا اور وہ اس کی روح پرور تقریر سن رہی تھی۔

اس کی تقریر میں ایک جادو تھا اور حاضرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ اس کے آخری الفاظ آج بھی ماتکہ کے دل پر نقش تھے۔

وہ کہہ رہا تھا:

”میرے عزیزو!

قوموں کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب کہ اجتماعی بقا کے تقاضے ہر فرد کو دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جوانوں کی طرح بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو بھی تلوار اٹھانی پڑتی ہے اور آج الحمراء کی دیواروں کے پتھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اب غرناطہ کی آزادی کے بجھتے ہوئے چراغوں کو دوبارہ روشن کرنے کے لیے صرف قوم کے فرزندوں کا خون ہی کافی نہیں بلکہ قوم کی بیٹیوں کو بھی اپنا خون پیش کرنا ہوگا۔“

اور وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کاش! میں اپنی قوم کی ایک بیٹی کی حیثیت سے

اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرسکوں! اور جب دو دن بعد اس کا باپ تھوڑی دیر کے لیے گھر آیا تو نرگس نے کہا تھا: "ابا جان! حامد بن زہرہ کہتے تھے کہ آج قوم کے ہر فرد کو سپاہیانہ تربیت کی ضرورت ہے"۔

"ہاں بیٹی! ہم بہت نازک حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میری بیٹی سواری اور تیر اندازی سیکھ چکی ہے"۔

"لیکن ابا جان! میں اس سے بھی زیادہ سیکھنا چاہتی ہوں!"

"تم کیا سیکھنا چاہتی ہو بیٹی؟"

"میں جہاد کا عملی تجربہ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے قلعے میں اپنے پاس کیوں نہیں لے چلتے۔ وہاں مجھے استاد بھی مل سکتے ہیں"۔

"تمہارا قلعہ یہ گھر ہے بیٹی! اور خدانخواستہ اگر کوئی برا وقت آجائے تو مجھے یقین ہے تم اپنی حفاظت کر سکو گی۔ لیکن انشاء اللہ ایسا وقت نہیں آئے گا اور تمہیں سعید سے بہتر استاد کون مل سکتا ہے؟ میں نے رضاکاروں کے ساتھ اسے تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ تیغ زنی میں بھی کافی مہارت حاصل کر چکا ہے۔ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے دو سال اور فوج میں بھرتی نہیں ہو سکتا اور میں اس سے کہوں گا کہ جب تک وہ یہاں ہے باقاعدہ تمہیں وقت دیا کرے۔ عمیر بھی فارغ التحصیل ہو چکا ہے۔ وہ کل یہاں پہنچ جائے گا اور تین ہفتے گھر رہے گا۔ تم اس سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتی ہو!"

"ابا جان! وہ تو مجھے سعید کے ساتھ سواری کرنے سے بھی منع کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں صحن میں تیر اندازی کی مشق کر رہی تھی تو اس نے میری کمان توڑ دی تھی"۔

باپ مسکرایا "وہ تھوڑا سا بے وقوف ہے"۔

"بہت زیادہ بے وقوف ہے ابا جان! وہ امی جان سے کہتا تھا کہ آپ نے لڑکی کو بگاڑ دیا ہے۔ ایک دن اس نے سعید کے منہ پر تھپڑ مار دیا تھا"۔

اس کے باپ نے کہا "سعید اس سے عمر میں چھوٹا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ حامد بن زہرہ کا بیٹا اس سے تھپڑ کھا کر خاموش رہے"۔

"ابو جان سعید نے بھی اسے دھکا دے کر ندی میں گرا دیا تھا"۔

"بیٹی! یہ بچپن کی باتیں ہوں گی۔ اب وہ کافی سمجھدار ہو چکا ہے"۔

"نہیں ابو جان! غرناطہ میں رہ کر وہ زیادہ بے وقوف ہو گیا ہے' کہتا ہے کہ میں بڑا ہو کر سپہ سالار بنوں گا"۔

"یہ تو کوئی بری بات نہیں"۔

"لیکن وہ یہ بھی تو کہتا تھا کہ جب میں سپہ سالار بنوں گا تو سعید کو گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں پھراؤں گا"۔

اس کا باپ ہنس پڑا "وہ تمہیں چڑاتا ہو گا بیٹی"۔

عمیرہ نے کہا "تاہم اس کے لیے تعلیم جاری رکھنا بھی ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے حامد کے گھر بھیج دیا کروں؟"

نصیر نے جواب دیا "اگر وہ تھوڑا بہت وقت نکال سکیں تو یہ اس کی خوش قسمتی ہو گی لیکن یہاں ان کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ انہیں عام طور پر گھر سے باہر رہنا پڑے گا تاہم میں آج ہی ان سے درخواست کروں گا کہ جب انہیں فرصت ملے وہ اس کو پڑھایا کریں۔ ویسے اس کو میری سفارش کی ضرورت نہیں۔ حامد بن زہرہ اس سے بہت پیار کرتے ہیں"۔

اس کے بعد جب حامد بن زہرہ گاؤں میں ہوتا تھا تو اس کے لیے تھوڑا بہت وقت نکال لیتا تھا اور جب وہ دورے پر روانہ ہوتا تو پڑھنے کے لیے کتابیں دے جاتا۔ سعید باقاعدہ اسے تیر اندازی اور تیغ زنی سکھایا کرتا تھا لیکن ان کی رفاقت کا یہ نیا دور بہت مختصر تھا۔

☆☆☆

فرڈیننڈ کی فوج نے شمال کے زرخیز علاقے تباہ اور ویران کرنے کے بعد غرناطہ کے سامنے ڈیرے ڈال دیے تھے اس لیے جنوب کے ان قلعوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی جن کی بدولت پہاڑی علاقوں سے رسد و کمک کے رستے محفوظ تھے۔ نصیر کو کئی کئی دن گھر آنے کا موقع نہیں ملتا تھا اس لیے اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ یہ قلعہ زیادہ بڑا نہ تھا۔ اس کے اندر صرف پانچ سو سپاہی رہ سکتے تھے۔ لیکن محل وقوع کے اعتبار سے اس قدر محفوظ تھا کہ حملہ آوروں کو اس کے قریب پہنچنے کے لیے کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

یہ قلعہ ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ شمال کی جانب سے کوئی دو سو گز نیچے ایک نالہ تھا۔ جنوب سے غرناطہ کی طرف جانے والی سڑک کے قلعے کے دروازے سے سو قدم کے فاصلے پر بائیں طرف مڑتی تھی اور شمال مشرقی کونے سے اس قدر قریب آ جاتی تھی کہ فصیل کے برج سے گرنے والے پتھر بھی تیروں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ پھر یہ سڑک پہاڑی کے کنارے بل کھاتی ہوئی نالے کے پل تک جا پہنچتی تھی۔ قلعے سے لے کر نالے کے پل تک اس کی ڈھلوان اتنی خطرناک تھی کہ غرناطہ کی طرف سامان لے جانے والی بیل گاڑیوں کو سہارا دینے اور خالی واپس آنے والی گاڑیوں کو دھکیلنے کے لیے چند آدمی بروقت قلعے اور پل کے قریب موجود رہتے تھے۔ پل کی حفاظت کے لیے نالے کے پار بھی سپاہیوں کا ایک دستہ متعین تھا۔

قلعے کی مغربی سمت بھی کوئی ڈیڑھ میل دور ایک گہرا کھڈ اس قلعے کے لیے خندق کا کام دیتا تھا۔ جنوب کی طرف قلعے کا عقب ان پہاڑیوں کی بدولت محفوظ تھا جہاں جنگجو قبائل کی بستیاں ناقابل تسخیر قلعوں کا کام دیتی تھیں۔ جن قابل ذکر مقامات سے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہو سکتا تھا وہاں فوج کی باقاعدہ چوکیاں موجود تھیں۔

قلعے کے جنوب مغربی کونے میں ایک دو منزلہ مکان کا بالائی حصہ اس کے باپ کی

رہائش کے لیے مخصوص تھا۔ نچلے حصے میں دو اور افسروں کے بال بچے رہتے تھے۔

اس کے لیے قلعے کا ماحول اپنے گاؤں کے ماحول سے مختلف تھا۔ گاؤں میں اسے کچھ عرصہ سے آزادانہ گھوڑا بھگاتے ہوئے جھجک محسوس ہو رہی تھی اس لیے وہ صبح کے جھٹ پٹے میں سیر کے لیے نکلا کرتی تھی۔ لیکن یہاں اسے پوری آزادی تھی۔ وہ ہر روز کئی کئی کوس سواری کیا کرتی تھی اور اسے قرب و جوار کی گھاٹیاں اور پگڈنڈیاں اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح یاد ہو گئی تھیں۔

قلعے کی طرح باہر کی چوکیوں کے محافظ بھی اسے دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ شروع شروع میں جب وہ قلعے سے باہر نکلتی تھی تو ایک نوکر اس کے ساتھ ہوتا تھا لیکن چند دنوں بعد سے محافظ کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے گھوڑے سے تیر چلانے کی مشق کیا کرتی تھی۔ سپاہی اسے دیکھتے اور ان کے مرجھائے ہوئے چہروں پر تازگی آجاتی۔ سپہ سالار کی بیٹی کے عزم اور حوصلے کا ان پر اتنا گہرا اثر ہوتا تھا کہ کئی آدمی اپنے بال بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن قلعے کے اندر اتنی گنجائش نہ تھی اس لیے اس کے باپ کو بیشتر درخواستیں رد کرنا پڑیں۔

ایک افسر کی بیوی نے اس کے لیے دختر غرناطہ کا نام پسند کیا تھا اور چند دنوں میں یہ نام قلعے کے علاوہ آس پاس کی چوکیوں اور بستیوں میں مشہور ہو گیا تھا۔

غروب آفتاب کے قریب وہ کبھی اپنے مکان کی چھت پر اور کبھی نالے کے پار ایک ٹیلے سے جنوب کے نشیب کی طرف دیکھا کرتی تھی جہاں لہلہاتے کھیتوں اور سرسبز باغات کا سلسلہ غرناطہ تک چلا جاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ جنوب کی سمت گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے گاؤں میں جا نکلتی تھی۔

اس کا چچا عام طور پر حامد کے ساتھ دورے پر رہتا تھا۔ وہ اپنی چچی سے ملنے یا پھر منصور کو دیکھنے کے بہانے ان کے گھر چلی جاتی اور واپسی پر حامد کے کتب خانے سے کوئی کتاب اٹھا لاتی۔

سعید ن رضا کاروں میں شامل ہو چکا تھا جنہیں اہل غرناطہ کو سامان رسد پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اسے غرناطہ سے واپسی تھوڑی دیر کے لیے اسکو دیکھنے کا موقع مل جاتا تھا۔

غرناطہ کا محاصرہ کرنے کے بعد فرڈیننڈ نے کئی بار اس قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سے کامیابی نہ ہوئی۔

یک رات عیسائیوں نے بڑی جمعیت کے ساتھ تین اطراف سے حملہ کیا ور ن کے سواروں کے چند دستے پل کے قریب پہنچ گئے لیکن انہیں بھاری نقصان ٹھانے کے بعد پسپا ہونا پڑا۔

قلعے کے محافظ اس کامیابی پر خوشیاں منا رہے تھے کہ مشرق کی یک چوکی کے محافظوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر دشمن کی پیادہ فوج نے نالہ عبور کر لیا ور یک طویل چکر کاٹنے کے بعد اس کے سپاہی قلعے کے قریب آ گئے۔ نہوں نے کئی بار سیڑھیوں ور کمندوں کی مدد سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن تیروں کی بارش میں ن کی پیش نہ گئی۔ یک ساعت بعد آس پاس کی بستیوں کے رضا کار وہاں پہنچ گئے ور دشمن نے شدید نقصان ٹھانے کے بعد پسپائی اختیار کی مگر واپسی پر نالہ عبور کرتے ہوئے ن کی یک تہائی فوج ہلاک ہو چکی تھی۔

اس نے پہلی بار اس لڑائی میں عملی حصہ لیا تھا لیکن طلوع سحر سے قبل سکے باپ کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ تیر انداز جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا ور جس کی کمان سے نکلنے والے ہر تیر کے بعد نیچے سے ایک چیخ سنائی دیتی تھی اس کی بیٹی تھی۔

وہ مردوں کا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کا چہرہ خود میں چھپا ہوا تھا۔ نصیر سے شاباش دینے کے رادے سے آگے بڑھا تو چانک اسے خود سے باہر نکلے ہوئے خوب صورت بالوں کی ایک لٹ دکھائی دی اس کی نگاہیں ن نازک ہاتھوں پر

مرکوز ہو کر رہ گئیں جو پھولوں سے کھیلنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

اس کے باپ کی پیشانی پر شکن آ گئی اور اس نے کچھ کہے بغیر منہ پھیر لیا۔

وہ قدرے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی پھر اس نے قدرے سہمی ہوئی آواز میں کہا "ابا جان! آپ خفا ہو گئے؟"

اس کے باپ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! یہ نوجوان انعام کا مستحق ہے۔ میں اس کے قریب کھڑا تھا اور مجھے یقین ہے کہ رات کے اندھیرے کے باوجود اس کا کوئی تیر خالی نہیں گیا"۔

اس کے باپ نے پیار سے اس کے خود پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "یہ نوجوان میری بیٹی ہے اور اسے غرناطہ کی آزادی سے زیادہ کسی اور انعام کی خواہش نہیں"۔

☆☆☆

اور اب ماضی کے یہ لمحات اس کے لیے سرمایۂ حیات بن چکے تھے۔ پھر وہ دن بھی آ گئے جب غرناطہ کے گرد دشمن کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اور وہ اپنے اولوالعزم باپ کے چہرے پر پریشانی اور تھکاوٹ دیکھا کرتی تھی۔

قلعے کے آس پاس دفاعی چوکیوں پر دشمن کے حملے شدت اختیار کر رہے تھے۔ باہر سے کئی زخمی قلعے کے اندر آ چکے تھے اور ان کی جگہ نئے محافظ چوکیوں پر بھیجے جا چکے تھے۔ اس کے باپ نے سپاہیوں کی کمی پوری کرنے کے لیے آس پاس کے علاقوں سے رضاکار بھرتی کرنے شروع کر دیے تھے اور اس کے ساتھ ہی غرناطہ سے کمک کا مطالبہ بھی کیا تھا۔

دو دن بعد وہاں سے بیس پیادہ سپاہی اور آٹھ سوار پہنچ گئے۔ ان کا سالار عتبہ کے نام سے متعارف ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بھوری اور داڑھی کے بال سرخ تھے۔

تک کو اپنے باپ کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ مالقہ کی جنگ میں قید ہو تھ ور نصرانی سے شبیبہ لے گئے تھے۔ دو ہفتے قبل یہ پانچ اور قیدیوں کے ساتھ فرار ہو کر غرناطہ پہنچا تھ۔ فوج کے مستقر سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ذہین افسر ہے ور اس کے ساتھیوں میں یک نوجون بہت اچھا توپچی ہے۔

دو ہفتے بعد عتبہ اپنی مستعدی اور فرض شناسی کے باعث اپنے باپ کا عتماد حاصل کر چکا تھ ور سے پچاس سپاہیوں کی کمان مل چکی تھی۔ قلعے کے متعلق مشہور تھا کہ وہ صرف حکم سننا ور حکم دینا جانتا تھا۔ اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آتی۔

یک دن وہ یک زخمی کی مرہم پٹی میں مصروف تھی۔ اچانک سے محسوس ہوا کہ کوئی دروازے پر کھڑا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو عتبہ تھا۔ اسے متوجہ پا کر وہ منہ پھیر کر یک طرف ہٹ گیا۔

یک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے سے باہر نکلی اور مشرق کی طرف نکل گئی۔ قلعے سے تین میل دور ایک تنگ گھاٹی کے موڑ پر اسے عتبہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار دکھائی دیا۔ اس نے اسے راستہ دینے کے لیے اپنا گھوڑا یک طرف ہٹایا لیکن عتبہ نے اس کے قریب پہنچ کر اچانک گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔ اس کی طرف یک نظر دیکھا ور پھر آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا "معاف کیجیے! آپ کو تنہا ان علاقے میں نہیں آنا چاہیے۔ کل ہی ہمیں یہاں کی چوکی سے تھوڑی دور دشمن کی نقل و حرکت کی طلاع ملی تھی۔ عام حالات میں بھی اگر قلعے کے محافظ کی صاحب زادی باہر نکلے تو اس کی حفاظت کا تسلی بخش نتظام ہونا چاہیے۔ آپ اسے گستاخی نہ سمجھیے۔ آپ کو خطرے سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ جنوب کی سڑک نسبتاً محفوظ ہے لیکن اس طرف سے جاتے ہوئے بھی آپ کے ساتھ کوئی نہ کوئی محافظ ضرور ہونا چاہیے"۔

اس نے جواب دیا "آپ میری فکر نہ کریں۔ میرا زیادہ دور جانے کا ارادہ نہیں تھا ور جو مشورہ آپ مجھے دے رہے ہیں اس پر آپ کو خود بھی عمل کرنا چاہیے"۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"۔

"میرا مطلب ہے فوج کے ایک عہدیدار کو بھی اپنی حفاظت کا خیال رکھنا چاہیے"۔

عتبہ نے کہا "آپ مجھے کبھی غافل نہیں پائیں گی۔ اس وقت بھی چار آدمی میرے ساتھ ہیں۔ دو تیر انداز پیچھے کھنڈ میں موجود ہیں اور دو اوپر ٹیلے پر سے راستے کی حفاظت کر رہے ہیں۔ باقی آس پاس کے علاقے میں دشمن کو تلاش کر رہے ہیں لیکن اگر میں پکڑا جاؤں تو بھی نصرانیوں کی قید میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہوگی مگر آپ کو شاید معلوم نہیں وہ عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ آپ ایک بہادر باپ کی بیٹی ہیں اور میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں لیکن آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ موجودہ حالات میں آپ کو قلعے میں بھی نہیں رہنا چاہیے۔ آپ کا گاؤں زیادہ محفوظ ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں آپ کے والد سے التجا کروں کہ آپ کو فی الفور وہاں بھیج دیں؟"

"نہیں! نہیں! انہیں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں محتاط رہنے کا وعدہ کرتی ہوں"۔

"مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں آپ کے ساتھ رہوں"

عتبہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور اس نے گھوڑے کی باگ موڑتے ہوئے کہا تھا "نہیں! آپ اپنا کام کریں"۔ اور پھر آن کی آن میں اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے اسے دوبارہ ہمکلام ہونے کا موقع نہ دیا۔ وہ سواری کے لیے کہیں دور جانے کے بجائے قلعے کے آس پاس گھوم گھام کر واپس آ جاتی۔ تاہم جب بھی وہ اپنی قیام گاہ سے باہر نکلتی اسے محسوس ہوتا کہ سرخ بالوں اور بھوری آنکھوں والا یہ آدمی قلعے کے کسی نہ کسی گوشے سے اسے گھور رہا ہے۔

حملہ اور غداری

اور پھر وہ ان لمحات کا تصور کر رہی تھی جب قلعے کے اندر ان کی امیدوں اور سپنوں کی دنیا یکایک بھیانک تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک رات وہ گہری نیند سو رہی تھی کہ ایک خوفناک دھماکے سے مکان کی دیواریں لرز اٹھیں۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ وہ کچھ دیر خوف اور اضطراب کی حالت میں بستر پر پڑی رہی۔ پھر سے آدمیوں کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی تو اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنی ماں کو آوازیں دینے لگی۔

برابر کے کمرے کا دروازہ کھلا اور عمارہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "میں یہیں ہوں"۔

"امی جان کیا ہوا ابا جان کہاں ہیں؟"

مجھے معلوم نہیں۔ وہ ابھی نیچے گئے ہیں۔ شاید دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ لیکن میں نے ایک خوفناک دھماکا سنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید زلزلہ آ گیا ہے"۔

وہ بستر سے کود کر ساتھ والی دیوار کی کھونٹیوں سے اپنی وردی اور اسلحہ تلاش کرنے لگی۔

عمارہ تاریکی میں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھی اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: "بیٹی! تم کیا کر رہی ہو۔ تمہارے ابا جان کا حکم ہے تمہیں مکان سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ وہ زینے کا دروازہ باہر سے بند کر گئے ہیں۔ کہتے تھے میں ابھی واپس آتا ہوں"۔

"امی جان میں ابا جان کی حکم عدولی نہیں کروں گی لیکن ان کے واپس آنے سے پہلے ہمیں لباس تبدیل کر لینا چاہیے"۔

عمارہ نے کوئی جواب نہ دیا اس کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد ہتھیار لگا رہی تھی کہ ایک عمر رسیدہ نوکر ہاتھ میں مشعل اٹھائے چار عورتوں اور سات بچوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"باجان کہاں ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"وہ نیچے ہیں اور ان کا حکم ہے آپ دروازہ بند رکھیں"۔

وہ کمان اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی لیکن بوڑھے سپاہی نے اس کا بازو پکڑ لیا "بیٹی! تم باہر نہیں جا سکتیں۔ دشمن مغربی دیوار کے شگاف سے قلعے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم نے اسے پیچھے ہٹا دیا ہے لیکن حالت بہت ہی تشویشناک ہے"۔

"دشمن کا توپخانہ یہاں کیسے پہنچ گیا"۔

"بیٹی! دیوار بارود سے اڑا دی گئی ہے اور فصیل کے نیچے وہ سرنگ جس کے اندر بارود بھرا گیا تھا باہر سے نہیں بلکہ کسی غدار نے اندر سے کھودی ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام پہرے دار سو گئے ہوں۔

"بیٹی! فصیل کا شگاف زیادہ بڑا نہیں لیکن اس کے ساتھ کئی کمرے پیوند زمین ہو گئے ہیں"۔

"میں نیچے نہیں جاؤں گی لیکن میں فصیل سے تیر چلا سکتی ہوں"۔ اس نے بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن عمارہ اس سے لپٹ گئی "بیٹی خدا کے لیے ان کا کہا مانو"۔

سپاہی نے کہا "جب فصیل کا شگاف بند ہو جائے گا تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ لیکن موجودہ حالت میں تمہیں اپنے باپ کی حکم عدولی نہیں کرنی چاہیے"۔

اس نے بددل ہو کر کہا "بہت اچھا میں فصیل پر نہیں جاؤں گی لیکن مکان کی چھت تو محفوظ ہے کم از کم مجھے وہاں تو جانے دو"۔

"بیٹی! دشمن اس طرف سے نہیں دوسری طرف ہے اور دیکھو تم مجھے جہاد میں حصہ لینے سے روک رہی ہو"۔ سپاہی نے یہ کہہ کر مشعل دیوار کے ساتھ لگا دی اور باہر نکل کر دروازے کو کنڈی لگا دی۔

تھوڑی دیر بعد قلعے کی مغربی جانب آدمیوں کا شور کم ہونے لگا تو وہ اپنے دل کو یہ تسلی دے رہی تھی کہ شاید دشمن پسپا ہو رہا ہے۔ لیکن پھر یکا یک قلعہ کی مشرقی جانب سے شور اٹھا اور اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اب اسے لڑنے والوں کی چیخ و پکار کے ساتھ تلواروں کی جھنکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ کمرے میں عورتیں اور بچے سہمی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اس کے دل میں اچانک خیال آیا اور وہ بھاگتی ہوئی عقب کے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کے اندر گھر کا فالتو ساز و سامان اور لکڑی کے دو صندوق پڑے ہوئے تھے۔ اس نے صندوق پر کھڑی ہو کر پچھلی دیوار کا دریچہ کھولا اور باہر جھانکنے لگی لیکن پیچھے سے دشمن کے آثار نظر نہ آئے۔

”بیٹی! تم کیا کر رہی ہو؟“ عمارہ نے اس کے قریب آ کر کہا۔

”کچھ نہیں امی جان میں باہر دیکھ رہی تھی اس طرف کوئی نہیں“۔

اس نے جلدی سے دریچہ بند کر دیا اور اپنی ماں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ پھر سیڑھی کی طرف آدمیوں کی آوازوں کے ساتھ تھوڑی دیر کے بعد قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی اور وہ دم بخود ہو کر برابر کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔ زینے اور ملاقات کے کمرے کے دروازے کھلے اور اس کے باپ کی آواز سنائی دی:

”خدا کے لیے وقت ضائع نہ کرو۔ اب دشمن کو اس مکان تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ تم میں سے دو آدمی زینے کی حفاظت کریں اور باقی چھت پر پہنچ کر جنوبی فصیل کے محافظوں کو آوازیں دیتے رہیں اگر انہوں نے ہمت سے کام لیا ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ دشمن رات کے وقت مزید نقصان اٹھانے کا خطرہ مول لینے کی بجائے صبح کا انتظار کرے۔ تم انہیں باہر نکال کر تمام دروازے بند کر دو!“

وہ مشعل اٹھا کر برابر کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔

چند ثانیے کے بعد ملاقات کے کمرے سے نمودار ہوا اسے دیکھتے ہی عمارہ جس

نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کا بازو تھام رکھا تھا چیخ مار کر فرش پر گر پڑی۔

عاتکہ سکتے کے عالم میں اپنے باپ کا لہولہان چہرہ دیکھ رہی تھی نصیر نے آگے بڑھ کر عمارہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا اور اسے بستر پر لٹانے کے بعد نڈھال سا ہو کر ایک کرسی پر گر پڑا۔ اس کی نگاہیں عمارہ کے چہرے پر مرکوز تھیں وہ کہہ رہا تھا ”عمارہ! عمارہ! میں زندہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں“۔ ایک عورت چلائی ”تم کیا دیکھ رہی ہو۔ ان کا خون بہہ رہا ہے“۔ اور پھر وہ آگے بڑھ کر اپنی چادر سے اس کا خون پونچھنے لگی۔

عاتکہ اپنے حواس پر قابو پاتے ہی بھاگ کر دوسرے کمرے میں گئی اور مرہم پٹی کے سامان کا تھیلا اٹھا لائی۔ وہ ایک عورت کے ہاتھ میں مشعل دے کر تھیلا کھول رہی تھی کہ اس کا عمر رسیدہ نوکر عبداللہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا ”آپ بچوں کو پچھلے کمرے میں لیجائیں اور انہیں خاموش رکھیں!“

ایک عورت نے کہا ”خدا کے لیے طبیب کو جلد بلاؤ ان کا زخم بہت گہرا ہے“۔

اس وقت طبیب کو تلاش کرنا ممکن نہیں۔ عاتکہ بیٹی اب یہ کام تمہیں کرنا پڑے گا“۔

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے باپ کے سر کی مرہم پٹی کی۔ پھر اس کے باپ نے اپنی قمیص پھاڑ کر پسلی میں ایک اور زخم دکھاتے ہوئے کہا ”بیٹی جلدی کرو میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہیں“۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے زخم کی مرہم پٹی سے فارغ ہو چکی تھی اور اس کا باپ دوبارہ اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا ”عمارہ! عمارہ!“

عمارہ نے آنکھیں کھول دیں اور کچھ دیر اپنے شوہر کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹ تو ہل رہے تھے لیکن حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ نصیر نے

اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نمناک ہوگئیں۔ عمارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگایا اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا "آپ کے زخم؟"

اس نے جواب دیا "میرے زخم بہت معمولی ہیں تم یونہی ڈر گئی تھیں"۔ عمارہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ابا جان اب کیا ہوگا؟" عاتکہ نے بڑی مشکل سے کہا۔

نصیر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنے ہاتھ پھیلا دیے۔ اس نے فرش پر گھٹنے ٹیک کر اپنا سر باپ کی گود میں رکھ دیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی۔ اور اس کا باپ جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "میری عاتکہ! میری بہادر بیٹی! اب تمہیں زیادہ ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ ہم باہر دشمن کے دانت تو کھٹے کر سکتے ہیں لیکن اپنے گھروں میں چھپے ہوئے غداروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم نے انہیں بھگا دیا تھا۔ میرے ساتھیوں نے فصیل کا شگاف اپنی لاشوں سے بھر دیا تھا۔ لیکن غداروں کو دروازہ کھولنے کا موقع مل گیا۔ میں ہمیشہ اس کے متعلق اپنے دل میں خلش محسوس کیا کرتا تھا"۔

"ابا جان آپ کو اس سرخ بالوں والے آدمی پر تو شک نہیں؟"

"مجھے شک نہیں یقین ہے کہ وہ دشمن کا جاسوس ہے۔ جس جگہ سے فصیل کو توڑا گیا ہے وہاں اس کے ساتھیوں کی کوٹھریاں ہیں۔ دھماکے سے کچھ دیر قبل پہریداروں نے دو آدمیوں کو کوٹھری سے نکل کر دروازے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ آج عتبہ دروازے کی حفاظت پر متعین تھا۔ وہاں چند وفادار سپاہی بھی موجود تھے اور ان کی موجودگی میں دروازہ کھولنا ممکن نہ تھا لیکن جب فصیل میں شگاف پڑ گیا تو ان میں سے اکثر دشمن کی یلغار روکنے کے لیے جا چکے تھے"۔

وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی کہ اس کی حیثیت ایک بے بس لڑکی سے زیادہ نہیں۔

اس نے سر گھما کر اپنے باپ کی طرف دیکھا اور کہا "اب کیا ہوگا ابا جان؟"

"بیٹی! اب میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے دشمن ہمارے خون سے پیاس بجھانے کے لیے صبح کی روشنی کا انتظار کرے اور باہر سے لوگ ہماری مدد کو پہنچ جائیں۔ لیکن اگر انہوں نے لڑائی جاری رکھی تو انہیں یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میرا اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے لیکن باہر نکلنے سے پہلے میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ تم ایک سعادت مند بیٹی ہونے کا ثبوت دو گی؟"

"ابا جان! میں نے آپ کا اعتماد کبھی مجروح نہیں کیا۔ لیکن آپ اس حالت میں باہر نہیں جا سکتے"۔

"میں چھت پر جا کر باہر کے حالات دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر خدا نخواستہ دشمن نے مکان پر حملہ کر دیا تو میں فوراً واپس آ جاؤں گا۔ لیکن تمہارا اپنی ماں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اور تمہارے لیے عتبہ کا کمرہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ عبداللہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ بچے تاریکی میں خوف محسوس کریں گے اس لیے دوسری مشعل جلا کر وہاں لے جاؤ لیکن دریچہ بند رکھنا تاکہ باہر روشنی نہ جا سکے"۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے باپ نے جلدی سے ٹوک دیا "بیٹی! اب باتوں کا وقت نہیں۔ عبداللہ تم کیا دیکھ رہے ہو۔ جلدی کرو! بچوں کے لیے پانی اور کھانے کا سامان بھی اندر رکھ دو۔ عمارہ کو آرام کی ضرورت ہے اس لیے ان کا بستر اٹھا کر وہاں بچھا دو!"

"نہیں مجھے بستر کی ضرورت نہیں"۔ عمارہ نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد بچے اور عورتیں عتبہ کے کمرے میں جا چکی تھیں لیکن عمارہ اور وہ ابھی تک تذبذب کے عالم میں نصیر کے سامنے کھڑی تھیں۔ نصیر نے پانی مانگا اور چند گھونٹ پینے کے بعد اچانک کھڑا ہو گیا "اب تم وقت ضائع نہ کرو!"

وفا شعار بیوی نے شوہر کی طرف دیکھا اور بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر ڈگمگاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اس کا باپ اپنے وفادار ساتھی عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا "اب تم بھی جاؤ اور دروازہ بند کر لو!" نوکر نے اندر جا کر دروازے کی کنڈی چڑھائی تو نصیر نے آگے بڑھ کر باہر کی کنڈی لگادی ہے۔

وہ دہشت زدہ ہو کر چلائی "ابا جان آپ نے وعدہ کیا تھا جست سے ہو کر واپس آ جائیں گے"۔

"بیٹی!" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا "میں اپنا وعدہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب میری بات غور سے سنو! عبداللہ تمہیں بتادے گا کہ میں نے دروازہ کیوں بند کیا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم اس کی ہدایت پر عمل کرنا۔ عبداللہ! وہ سامان صندوق کے پیچھے پڑا ہوا ہے"۔

"ابا جان! ابا جان!" اس نے آوازیں دیں لیکن اس کے باپ نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر چند ثانیے بعد وہ اس کے قدموں کی چاپ سن رہی تھی۔

☆☆☆

عبداللہ نے کہا "زور سے آواز نہ دو"۔

اس نے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "امی جان مجھے معلوم ہے اس صندوق کے پیچھے کیا ہے۔ ابا جان ہمیں اس قلعے سے باہر نکالنا چاہتے ہیں اور ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ ہم مرتے دم تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لیے انھوں نے دروازہ بند کر دیا ہے"۔

عبداللہ نے صندوق کے پیچھے رسی کی سیڑھی نکالتے ہوئے کہا "بیٹی! جب ہم یہاں آئے تھے تو یہ سیڑھی اس کمرے میں موجود نہ تھی۔ شاید! اس قلعہ کے سابق محافظ کو یہ خیال آیا ہو کہ اس کے بال بچوں کو کسی دن اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے

لیکن تمہارے ابّاجان ایسی بات سوچنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ اگر آج ان کے سامنے صرف تمہاری زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا تو وہ اس قدر پریشان نہ ہوتے لیکن تم جانتی ہو کہ قیدی عورتوں کے ساتھ نصرانی کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس قلعے کے محافظ تمہیں ”غرناطہ کی بیٹی“ کے نام سے پکارتے ہیں۔ آج تمہاری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ اگر تم نے ہمت سے کام لیا تو ممکن ہے یہ خواتین اور بچے دشمن کے وحشیانہ مظالم سے بچ جائیں۔ اب جنوبی دیوار کے محافظ الاؤ جلا چکے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ باہر سے آگ کی روشنی دیکھنے والوں کو یہاں کی صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا اور انہیں یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن اگر دشمن نے ان کی آمد سے پہلے ہی ہماری رہی سہی قوت مدافعت کچل ڈالی اور اس مکان پر حملہ کر دیا تو ہماری آخری کوشش یہی ہوگی کہ تمہیں تمہاری والدہ اور ان خواتین اور بچوں کو قلعے سے باہر نکال دیا جائے۔ رات کے وقت تمہارے لیے جنوب کا علاقہ محفوظ رہے گا۔ اور ہامری گاؤں تک ہر بستی کے لوگ تمہاری اعانت کو اپنا فرض سمجھیں گے۔ اب تمہیں باہر نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

جب میں سیڑھی لٹکانے کے لیے دریچہ کھولوں گا تو مشعل بجھا دی جائے گی۔ آپ میں سے جو پہلے نیچے اتریں ادھر ادھر بھاگنے کی بجائے فصیل کے قریب بیٹھ دوسرے ساتھیوں کا انتظار کریں اور پھر کھڈ کی طرف اتر جائیں“۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد عبداللہ سیڑھی چھت کے نیچے کی دیوار میں آہنی کھونٹیوں کے ساتھ باندھ چکا تھا۔ قلعے میں لڑنے والوں کی چیخ و پکار مکان کے قریب سنائی دے رہی تھی۔ عورتیں اور بچے دم بخود ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عاتکہ دروازے سے منہ لگائے ایک چھوٹی سی دراز سے برابر والے کمرے میں جھانک رہی تھی۔ اچانک وہ پیچھے ہٹی اور چوکھٹ سے اوپر محراب کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک

بڑ صندوق دھکیل کر دروازے کے ساتھ لگادیا اورایک چھوٹا صندوق ٹھا کر ں کے وپر رکھنے کی کوشش کی لیکن صندوق بھاری تھا۔ اسے کامیابی نہ ہوئی' عبداللہ نے کہا

”بیٹی تم کیا کر رہی ہو؟“

”کچھ نہیں تم میری مدد کرو! میں محراب کی جالی سے ساتھ و ۔ کمرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ جلدی کرو مکان پر حملہ ہو چکا ہے۔ شاید وہ نیچے کے دروازے کو توڑ رہے ہیں ۔

عبداللہ ابھی تذبذب کے عالم میں کھڑا تھا کہ دو عورتوں نے اس کی مدد کی ور یک چھوٹا صندوق ٹھا کر بڑے صندوق پر رکھ دیا۔

عاتکہ جلدی سے وپر کے صندوق پر کھڑی ہو کر لکڑی کی جالی سے جھانکنے لگی۔ جالی کے سوراخ تنے تنگ تھے کہ وہ صرف دوسرے کمرے کا نصف حصہ دیکھ سکتی تھی ۔اس نے پنا خنجر نکالا ور پے در پے ضربوں سے بوسیدہ لکڑی کا کچھ حصہ توڑ ڈ لا۔

عبداللہ بدستور چلا رہا تھا ”تم کیا کر رہی ہو؟ ہوش سے کام لو“۔ ور ب اس کی ماں ور دوسری عورتیں بھی بوڑھے نوکر کے احتجاج میں شریک ہو چکی تھیں۔ اس لے کوئی آدھ بالشت چوڑا سوراخ کرنے کے بعد اپنا خنجر نیام میں ڈالتے ہوئے مڑ کر دیکھا ور کہا: ”آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ گر میں ساری جالی توڑ ڈ لوں تو بھی یہ محراب اتنی تنگ ہے کہ یہاں سے ایک تین سال بچہ بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ جب ابا جان آئیں تو نہیں چھی طرح دیکھ سکوں“۔

عمرہ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا ”وہ ابھی تک کیوں نہیں آئے نہیں بہت دیر ہو گئی ہے“۔

کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔ پھر زینے کی طرف بھاگتے ہوئے نسانوں کا شور سنائی دینے لگے اور عبداللہ چلایا ”وہ زینے کا نیچے

دروازہ توڑ رہے ہیں۔ سب تم تیار ہو جاؤ۔ عاتکہ! سب سے پہلے تمہاری باری"۔

اس نے جلدی سے نیچے اتر کر اپنی ماں اٹھاتے ہوئے کہا ''نہیں سب سے پہلے کم سن بچوں کی مائیں جائیں گی۔ اس کے بعد ہم بچوں کو اتاریں گے۔ پھر ی جوان عورتوں کے بعد میری باری آئے گی''

ساتھ والے کمرے میں بھاگتے ہوئے قدموں اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کا شور سنائی دیا۔ وہ جلدی سے صندوق پر کھڑی ہو کر سوراخ سے جھانکنے لگی۔

اس کا باپ چھ سات آدمیوں کے ساتھ برابر کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی کھولتے ہوئے کہا عبداللہ جلدی کرو اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ نیچے کود پڑی اور عبداللہ نے صندوق ذرا پیچھے دھکیل دیا اور دروازہ کھول دیا۔ نصیر کے ساتھ تین اور آدمی اپنی بیویوں اور بچوں کو دوسری کھڑکی سے کمرے میں داخل ہوئے اور اس نے ایک عورت کی طرف متوجہ ہو کر کہا بہن ہم آپ کے شوہر کو تلاش نہیں کر سکے۔ اب آپ جلدی کریں۔ دشمن کو یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی''۔ عبداللہ نے مشعل ساتھ والے کمرے میں ایک آدمی کے سپرد کی پھر دروازہ بند کرنے کے بعد بھاگ کر دروازہ کھولا اور سیڑھی نیچے پھینک دی۔

اس کے باپ نے کہا ''عبداللہ! ایک بچہ اٹھا کر نیچے اتر جاؤ۔ عبداللہ نے ایک ثانیہ کے لیے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور بچے کو اٹھاتے ہوئے کہا ''آپ عاتکہ سے کہیں کہ وہ نیچے اترنے میں دیر نہ کرے۔''

اس نے اپنے باپ کے کاندھے پر سر رکھ دیا اور سراپا التجا بن کر کہا ''ابا جان! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ میری باری سب سے آخر میں آئے۔ آپ کی بیٹی کو جان بچانے میں پہل نہیں کرنی چاہیے''۔

"بیٹی ۔ تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ میں تمہاری زندگی کو دوسروں کی زندگی پر ترجیح دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم کافی دیر تک دشمن کو روک سکیں گے اور تم سب کو اطمینان سے پیچھے ہٹنے کا موقع مل جائے گا۔ اگر ہمیں باہر سے کوئی مدد نہ ملی تو بھی دشمن تمہیں تلاش کرنے کے بجائے صبح تک قلعہ کے اندر مار دھاڑ میں مصروف رہے گا۔ تاہم تمہیں سڑک سے کافی دور رہنا چاہیے۔ ان عورتوں اور بچوں کو اپنے گھر لے جاؤ۔ وہاں تمہارے چچا ان کے لیے مناسب انتظام کر دیں گے۔ اگر تم اپنے گاؤں کے پاس کوئی خطرہ محسوس کرو تو اپنی امی کے ساتھ ماموں کے گھر پہنچ جاؤ"۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا "ابا جان! ہم آخری دم تک آپ کا انتظار کریں گے"۔

تھوڑی دیر بعد جب عمارہ دو کم سن لڑکوں اور ان کی ماں کے سوا باقی عورتیں اور بچے نیچے جا چکے تھے تو حملہ آور زینے کا دوسرا دروازہ توڑ رہے تھے۔

ایک نوجوان نے مشعل اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں پھینک دی اور نصیر کا بازو پکڑ کر چلایا "دشمن ہمیں کسی کمک کا انتظار کرنے کا موقع نہیں دے گا۔ خدا کے لیے آپ بھی ان کے ساتھ نکل جائیں غرناطہ کو آپ کی بہت ضرورت ہے"۔

عمارہ کے باپ نے کوٹھری سے نکلتے ہوئے کہا "غرناطہ شہیدوں کے خون کی ضرورت ہے اور میری رگوں میں ابھی تک خون کے چند قطرے باقی ہیں"۔

پھر اس نے جلدی سے کوٹھری کے کواڑ بند کرتے ہوئے اس کو آواز دی "عاتکہ! اندر سے کنڈی لگا لو اور جلدی سے باہر نکلنے کی کوشش کرو"۔

وہ اپنے باپ کے آخری حکم کی تعمیل کر رہی تھی کہ زینے کی طرف سے دروازہ ٹوٹنے سے ایک دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ ہی اسے نصیر کی آواز سنائی دی "ہم انہیں اگلے کمرے میں روکنے کی کوشش کریں گے"۔

وہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی رہی پھر اس نے کنڈی لگائی اور صندوق

دھکیل کر دروازے کے ساتھ لگا دیے اور ان پر چڑھ کر بڑے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔ جو اب خالی ہو چکا تھا۔ تھی دیر میں حملہ آور دوسرا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یک عورت دریچے کے قریب کھڑی دہائی دے رہی تھی

''عمیرہ! اتنک جلدی آؤ وہ سب آگئے ہیں''۔

اس نے کہا ''ی جان! آپ جائیں۔ انہیں دروازے توڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی''۔

''اور تم؟''

''میں بھی آرہی ہوں ی جان خدا کے لیے آپ جلدی کریں''۔

دروازے پر کلہاڑیوں کی ضربیں اور حملہ آوروں کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ عمیرہ بادل نخواستہ دریچے کی طرف بڑھی لیکن ایک اور دھماکے نے سکے پاؤں روک یے۔ اس کے ساتھ ہی اسے لڑنے والوں کی چیخ و پکار اور تلواروں کی جھنکار سنائی دینے لگی۔

عمیرہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑی رہی اور پھر اچانک اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

''ی جان!'' اس نے آواز دی مگر اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ طمینان محسوس کرنے لگی کہ اس کی ماں جا چکی ہے۔

اس کے دل کی پکار اب یہ تھی کہ مجھے یہاں سے نکلنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ب میں ن کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ لیکن باپ کی محبت نے عقل کے تمام فیصلے رد کر دیے۔ سے ب بھی کوئی امید تھی کہ قدرت کا کوئی معجزہ اس کے باپ کی جان بچا ے گا۔ باہر سے ن کے مددگار اچانک آ پہنچیں گے اور پھر شاید بھاگنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے''۔

تنے میں چار آدمی یکے بعد دیگرے دشمن کے وار روکتے ہوئے ٹے پاؤں

ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ آخری آدمی اسکا باپ تھا۔ اس نے دہلیز کے قریب پہنچ کر جونہی حملہ کیا۔ حملہ آور دو لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ایک نوجوان نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

☆☆☆

حملہ آور اب بھی دروازہ توڑ رہے تھے اس کا باپ دیوار سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔ اس کا لباس خون میں تر بتر تھا اور آنکھیں نقاہت سے بند ہوتی جا رہی تھیں۔ باقی تین آدمی بھی زخموں سے چور دکھائی دے رہے تھے۔ ایک نوجوان جس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا بے جان فرش پر گر پڑا۔

وہ اپنے باپ کو آواز دینا چاہتی تھی لیکن اسے زبان کھولنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے کمان میں تیر چڑھالیا اور ٹوٹتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ کسی نے پچھلے کمرے سے عربی زبان میں کہا ”نصیر! خودکشی نہ کرو تم بازی ہار چکے ہو۔ اب تمہارا کوئی مددگار یہاں نہیں آئے گا اگر ہتھیار ڈال دو تو میں اب بھی تمہاری جان بچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں“۔

نصیر چلایا ”عتبہ تم غدار ہو تم نے قوم کی آزادی کا سودا کیا ہے لیکن میری تلوار صرف موت ہی چھین سکتی ہے۔ تم صرف میری لاش کی قیمت وصول کر سکو گے۔ مجھے عیسائیوں کا غلام بنانے کا معاوضہ حاصل نہیں کر سکو گے“۔

اور پھر یہ دروازہ بھی ٹوٹ گیا۔ ایک دیو قامت نصرانی کلہاڑی اٹھائے آگے بڑھا اور ساتھ ہی ساتکہ کا تیر اس کی شہ رگ میں پیوست ہو گیا۔ وہ گر پڑا اور اسکے پیچھے آنے والے ادھر ادھر سمٹ گئے لیکن آدمیوں کا ایک ریلا اپنے ساتھی کی لاش کے اوپر سے پھلانگتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا اس کا باپ دو آدمیوں کو زخمی کرنے کے بعد پیچھے ہٹا اور اس نے عقبی کمرے کے دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا دی۔ اسکا ایک ساتھی فرش پر گر کر دم توڑ چکا تھا اور باقی دو کو اس کے دائیں بائیں زخمی شیروں کی

طرح لڑ رہے تھے۔ ان کے تیروں سے وہ اور نصرانی زخمی ہو چکے تھے اور نصیر چل رہا تھا

”عاتکہ میں کہتا ہوں جلدی کرو! تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنا چاہیے تھی“۔

پھر اچانک یہ آواز خاموش ہوگئی۔ وہ سوراخ سے ان دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کو دیکھ سکتی تھی جو دروازے کے ساتھ پڑی ہوئی لاشوں سے آخری انتقام لے رہے تھے عاتکہ کا دل ڈوبنے لگا قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جاتی مگر حالات کی نزاکت کے پیش نظر اس نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالا۔

عتبہ حملہ آوروں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا عاتکہ نے تیر چلانے کی کوشش کی لیکن وہ اچانک اس کی زد سے بچ نکلا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا ”تم پاگل ہو میں نے کہا تھا کہ تم نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جس کو گرفتار کر کے ہم بہت بڑا کام کر سکتے تھے!!!“

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کہا ”اس کمرے کے اندر بھی آدمی موجود ہیں“۔

عتبہ نے کہا ”تم بیوقوف نہ بنو اس کمرے میں عورتوں اور بچوں کے سوا اور کوئی نہیں اور انہیں زندہ گرفتار کرنا ضروری ہے“۔ عتبہ کے ساتھیوں میں سے صرف دو آدمیوں کو عاتکہ اچھی طرح دیکھ سکتی تھی ان کے پیچھے عتبہ کے چہرے کا بیشتر حصہ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

عتبہ نے قدرے توقف کے بعد کہا ”مجھے معلوم ہے تم اندر ہو اور تمہارے تیروں سے ایک ایسا آدمی مارا گیا ہے جس کی جان بہت قیمتی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے باپ کی جان نہ بچا سکا لیکن میں تمہاری جان بچا سکتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے کہ میں نے تمہیں اپنے گھر چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اب میں تمہارے علاوہ تمہاری والدہ اور باقی عورتوں کو بھی پناہ دے سکتا ہوں۔ ہم یہ دروازہ پلک جھپکنے میں توڑ سکتے تھے لیکن میں تمہیں ایک فاتح لشکر کے ظلم اور وحشت سے بچانا چاہتا

ہوں۔ ہم یہ جنگ ہار چکے ہیں اور تمہارے علاوہ اندلس کی لاکھوں بیٹیوں کو ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں تم ایک عاقبت اندیش لڑکی ہو۔ میں اندلس کے مسلمانوں کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے تمہارے تعاون کا طلب گار ہوں۔ مجھ پر اعتماد کرو اور یہ دروازہ کھول دو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک قیدی کی حیثیت سے اس لشکر کے سامنے پیش کیا جائے۔ میں تمہیں عزت کے ساتھ گھر بھیجنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اور تمہاری وجہ سے تمہارا گاؤں بھی محفوظ رہے گا۔ خدارا میرے وعدے پر اعتبار کرو ورنہ مجھے یہ دروازہ توڑنا پڑے گا۔

گفتگو کے دوران عتبہ کا پورا چہرہ اس کے سامنے آچکا تھا لیکن جب ہو تیر چلانے لگی تو پیچھے سے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔

"عاتکہ! عاتکہ! عبداللہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی تیر اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ عتبہ زخم کھا کر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ آنکھ جھپکنے میں اس کے دائیں ابرو کے قریب کٹی ہوئی جلد اور چھدے ہوئے کان سے زیادہ نہ دیکھ سکی

عتبہ چلایا "ایک طرف ہٹ جاؤ جھک کر آگے بڑھو اور دروازہ توڑ دو!

وہ جلدی سے نیچے اتر آئی۔

عاتکہ! عاتکہ! تم کیا کر رہی ہو؟ عبداللہ چلا رہا تھا۔ خدا کے لیے ہوش سے کام لو۔ تمہاری امی کہاں ہیں؟"

"امی" اس نے سراسیمہ ہو کر کہا "وہ نیچے نہیں پہنچیں؟"

"نہیں خدا کے لیے بتاؤ وہ کہاں ہیں؟

وہ اضطراب کی حالت میں آگے بڑھی لیکن دریچے کے قریب اس کے پاؤں کو ٹھوکر لگی اور ایک ثانیہ کے لیے اس کا سانس گھٹ کر رہ گیا۔ پھر وہ چلائی "چچا! امی جان یہاں ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا میں سمجھتی تھی یہ جا چکی ہیں یہ بے ہوش ہیں۔ میں

جانے سے پہلے ایک بار ابا جان کو دیکھنا چاہتی تھی لیکن وہ شہید ہو چکے ہیں"۔

عبداللہ نے جلدی سے عمارہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور کہا "تم جلدی سے نیچے اترنے کی کوشش کرو۔ میں تمہاری امی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ وقت ضائع نہ کرو وہ دروازہ توڑ رہے ہیں"۔

عاتکہ نے دریچے میں لٹکتے ہوئے کہا "لیکن تم انہیں اتار سکو گے؟"

"تم ان کی فکر نہ کرو اب باتوں کا وقت نہیں"۔

وہ ایک ہاتھ میں کمان لیے نیچے اترنے لگی۔ لیکن سیڑھی کے درمیان پہنچ کر اچانک رک گئی اور دریچے کی طرف دیکھنے لگی عبداللہ دریچے سے باہر آ چکا تھا اور وہ تاریکی میں اس کے انداز سے یہ اطمینان محسوس کر رہی تھی کہ وہ تنہا نہیں۔

وہ جلدی سے نیچے اتری۔ فصیل کے آس پاس کوئی نہ تھا۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹی اور خندق کے کنارے پہنچ کر عبداللہ کا انتظار کرنے لگی۔ عبداللہ عمارہ کو کندھے پر ڈالے سنبھل سنبھل کر سیڑھی پر پاؤں رکھتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔

اس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ کمان پر تیر چڑھا کر اوپر دیکھ رہی تھی۔ اچانک دریچے میں روشنی نمودار ہوئی اور ایک آدمی جس کے ہاتھ میں مشعل تھی، نیچے سر باہر نکال کر شور مچانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی کمان سے تیر نکلا اور مشعل زمین پر آ گری۔ تھوڑی دیر میں عبداللہ نیچے پہنچ چکا تھا۔ اس نے کہا "عاتکہ! خندق میں اتر جاؤ۔ اب وہ یقیناً ہمارا پیچھا کریں گے۔ دائیں ہاتھ مڑو وہاں زیتون کے درخت کے پاس ایک راستہ نیچے اترتا ہے"۔

وہ کچھ کہے بغیر اس کے آگے چل پڑی اور چند منٹ بعد وہ ایک تنگ راستے سے نیچے اتر رہے تھے۔ عمارہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

عاتکہ بار بار اس کا ہاتھ پکڑ کر نبض ٹٹولتی پھر عبداللہ سے پوچھتی کہ "انہیں ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا" اور وہ اسے تسلی دینے کی کوشش کرتا اور کہتا "بیٹی حوصلے سے کام لو

انشاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائیں گی"۔

قریباً نصف میل چلنے کے بعد عبداللہ نے عمارہ کو نیچے لٹاتے ہوئے کہا "ہمارے ساتھی کہیں آس پاس ہی ہوں گے۔ تم یہاں ٹھہرو! انہیں تلاش کرتا ہوں"۔

ایک عورت نے پاس ہی ایک جھاڑی سے سر نکالتے ہوئے کہا "تم نے بہت دیر لگائی ہمیں ڈر تھا کہ تم کسی اور راستے سے نہ نکل گئے ہو"۔

تھوڑی دیر بعد تمام بچے اور عورتیں وہاں جمع ہو چکی تھیں۔ ایک عورت نے عمارہ کی نبضیں ٹٹولتے ہوئے کہا "ان کا جسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ ہمیں جلد یہاں سے چلنا چاہیے"۔

عبداللہ نے دوبارہ اسے کندھے پر اٹھا لیا۔

☆☆☆

تین میل کے قریب کھنڈ کے اندر سفر کرنے کے بعد وہ دوسرے کنارے ایک پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ عبداللہ کی ہمت جواب دے رہی تھی اور اسے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ستانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

جب وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے تو پو پھٹ رہی تھی۔ صبح کا ستارہ نمودار ہو رہا تھا۔

عبداللہ نے عمارہ کو زمین پر لٹاتے ہوئے کہا "اب ہم تھوڑی دیر آرام کر سکتے ہیں۔ ہم وادی میں اترتے ہی ایک بستی میں پہنچ جائیں گے اور اگر وہ لوگ وہاں سے بھاگ نہیں گئے تو ہمیں مدد مل جائے گی"۔

اس نے کہا "تم بہت تھک چکے ہو، اگر مجھے اجازت دو تو میں بستی کے لوگوں کو بلا لاؤں۔ بی جان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ممکن ہے بستی میں کوئی طبیب مل جائے"۔

عبداللہ نے مغموم لہجے میں کہا "بیٹی تمہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود جاؤں

گا۔لیکن تمہاری امی کو اب طبیب کی ضرورت نہیں۔میں نے اٹھتے ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کی زندگی کا سفر پورا ہو چکا ہے۔تمہاری طرح یہ بھی تمام راستہ اپنے آپ کو فریب دیتا رہا ہوں۔تمہارے ابا جان تمہیں اپنے پاس بلانے کے لیے تیار نہ تھے۔لیکن تمہاری امی جان کو اصرار تھا کہ ہم زندگی اور موت دونوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے"۔

وہ سکتے کے عالم میں کچھ دیر اپنی ماں کو دیکھتی رہی۔پھر اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب بہہ نکلا۔عبداللہ نے اٹھ کر کہا "میں جاتا ہوں۔اب صبح ہونے والی ہے۔ہم ابھی تک خطرے کی زد سے باہر نہیں نکلے۔اس لیے آپ کو جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر نہیں آنا چاہیے"۔

عبداللہ وادی کی طرف چل دیا لیکن چند قدم اٹھانے کے بعد چونک کر ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا۔عاتکہ کی نگاہیں اپنی ماں کے چہرے پر مرکوز تھیں لیکن باقی عورتوں اور بچوں نے عبداللہ کو چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ان کے دل کسی غیر متوقع خطرے کے احساس سے دھڑک رہے تھے۔

کسی نے بلند آواز میں کہا "اگر تم قلعے سے بھاگ کر آئے ہو تو تمہیں چھپنے کی ضرورت نہیں۔ہم تمہاری باتیں سن چکے ہیں۔اس کے ساتھ ہی دائیں بائیں جھاڑیوں کی اوٹ سے چند آدمی نکلتے ہوئے دکھائی دیے اور عبداللہ جو پیٹ کے بل رینگتا ہوا اپنے ساتھیوں کی طرف واپس آرہا تھا اٹھ کھڑا ہوگیا۔"تم کون ہو؟" اس نے سوال کیا۔

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا "ڈرو نہیں مسلمان ہیں۔اس بستی سے ہی آئے ہیں"۔

"تمہیں معلوم ہے قلعے پر حملہ ہو چکا ہے؟" عبداللہ نے کہا۔

"ہاں! ہم نے دھماکا سنتے ہی خطرہ محسوس کیا تھا اور پھر فصیل پر روشنی دیکھ کر ہمیں

یقین ہو گیا تھا۔ ہمارا سردار گاؤں کے رضا کاروں کے ساتھ جنوب کی چوکی کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور صبح تک آس پاس کی دوسری بستیوں کے رضا کار بھی وہاں پہنچ جائیں گے"۔

عبداللہ نے کہا "اب وہ قلعے کے محافظوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے"۔

ایک سوار نے آگے بڑھ کر پوچھا "تمہارا مطلب ہے کہ دشمن نے قلعہ فتح کر لیا ہے؟"

"دشمن نے قلعہ فتح نہیں کیا بلکہ ایک غدار نے دروازہ کھول دیا تھا۔ یہ ہمارے سالار کی بیوی کی لاش ہے اور یہ اُن کی صاحبزادی ہیں"۔

سوار گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کے سوالات کے جواب میں عبداللہ نے مختصراً اپنی سرگزشت سنانے کے بعد کہا "اب ہمیں میت کو گاؤں تک لے جانے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت ہے"۔

رضا کار نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا "تم فوراً گاؤں سے چند آدمی لے آؤ"۔

عاتکہ نے جلدی سے اُٹھ کر کہا "آپ کو یقین ہے جنوب کی چوکی میں علاقے کے رضا کار جمع ہو رہے ہیں؟"

"ہاں ہمارے سردار نے انہیں یہی حکم دیا ہے اور قلعے میں دھماکے کا اثر یہ ہوا تھا کہ قرب و جوار کی ہر بستی کے لوگوں نے نقارے بجانے شروع کر دیے تھے"۔

اس نے کہا "آپ مجھے ایک گھوڑا دے سکتے ہیں؟"

"اس جگہ ہمارے پاس چار گھوڑے ہیں۔ اگر خبر رسانی کے لیے ایک سوار کا یہاں رہنا ضروری نہ ہوتا تو ہم چاروں آپ کے حوالے کر دیتے"۔

"نہیں! مجھے صرف ایک گھوڑے کی ضرورت ہے۔ میں اپنے گھر اطلاع دینا چاہتی ہوں۔ آپ ان عورتوں اور بچوں کے علاوہ امی جان کی میت کو اپنے گاؤں پہنچا دیں"۔

رضا کار نے کہا ”اطلاع دینے کے لیے آپ کو جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ آپ ہمارے سردار کے گھر تشریف لے چلیں۔ پھر اگر آپ نے رکنے کے بجائے سفر جاری رکھنا ضروری سمجھا تو گاؤں کا ہر آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گا اور آپ کی والدہ کی میت کو آپ کے ساتھ ہی گھر پہنچانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔“

عبداللہ نے رضا کار کی رائے سے اتفاق کیا لیکن عاتکہ نے کہا ”نہیں میں فوراً اپنے گاؤں پہنچنا چاہتی ہوں۔ میرے ابا اور امی کی لاشیں علیحدہ علیحدہ قبرستانوں میں دفن نہیں ہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ہم قلعے پر دوبارہ قبضہ کی کوشش کریں گے اور تمام شہیدوں کی قبریں وہیں بنیں گی۔ میں فوراً اپنے گاؤں اس لیے پہنچنا چاہتی ہوں کہ اگر ہمارے علاقے کے لوگ اپنے فرض سے غافل ہیں تو انہیں بیدار کر سکوں۔ اگر دشمن کو چند دن قلعے کے اندر قدم جمانے کا موقع مل گیا تو ہمارے لیے دوبارہ قبضہ کرنا زیادہ مشکل ہو گا اور پھر یہ ایک اور سیف خانہ بن جائے گا۔ اور جنوب کی طرف سے چند اہم راستے منقطع ہو جائیں گے۔“

رضا کار نے اپنے گھوڑے کی لگام عاتکہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ”اگر آپ کے عزائم یہ ہیں تو ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

اس نے ایک ثانیہ کے لیے اپنی ماں کی لاش کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ نوجوان جلدی جلدی اپنے ساتھیوں کو ہدایت دینے کے بعد اس کے ساتھ چل دیا۔

تھوڑی دور آگے وہ ایک تنگ گھاٹی عبور کرتے ہوئے آس پاس کی وادیوں میں نقاروں کی صدائیں اور گھوڑوں کی ٹاپ سن رہے تھے۔

طلوع آفتاب کے ساتھ انہیں ایک پہاڑی کی پشت پر پیادہ اور سوار مجاہدین کا

یک ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُسے قلعے کی سمت سے خوفناک دھماکے سنائی دینے لگے۔ اس نے جلدی سے گھوڑا روکا اور مڑ کر دیکھنے لگی۔ شمال کے افق پر دھوئیں اور گرد و غبار کے بادل چھا رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تھوڑی دیر بعد وہ نیچے جمع ہونے والے لشکر کے درمیان اپنے چچا سے لپٹ کر ہچکیاں لے رہی تھی اور سعید ان کے قریب کھڑا بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

ہاشم کو اطمینان کے ساتھ سرگزشت سننے کا موقع نہ ملا۔ چند سوار جو حملے کے ساتھ ہی قلعے کے حالات معلوم کرنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آپہنچے اور انہوں نے یہ اطلاع دی کہ دشمن نے قلعہ خالی کر دیا ہے اور ہم چند دستوں کو نالے کا پل عبور کرتے ہوئے دیکھ آئے ہیں"۔

ہاشم نے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور کچھ دیر بعد وہ سڑک کی دائیں جانب ایک ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر قلعے کا منظر دیکھ رہے تھے۔

گرد و غبار کے بادل چھٹ گئے تھے اور اس کی جگہ کہیں کہیں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ فصیل میں جگہ جگہ شگاف پڑے ہوئے تھے اور جس جگہ دروازہ تھا وہاں ملبے کا انبار دکھائی دیتا تھا۔ بیشتر مکانوں اور کوٹھریوں کی طرح وہ مکان بھی پیوند زمین ہو چکا تھا جو عاتکہ کے لیے مسرت گاہوں کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے قلعے کے اندر داخل ہوئے اور تھوڑی دیر میں وہ چند سپاہی وہاں جمع ہو چکے تھے جو قتل عام کے وقت ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ ان کی نشاندہی پر ملبے کے نیچے سے دبی ہوئی لاشیں نکالی جا رہی تھیں۔ نصیر کی لاش کو بری طرح مسخ کیا گیا تھا۔

ہاشم اپنے بھائی کی لاش کو گاؤں لے جانا چاہتا تھا لیکن عاتکہ کو اصرار تھا کہ باقی شہیدوں کی طرح میرے والد کو بھی اسی جگہ دفن کیا جائے۔ چنانچہ ہاشم نے چند آدمیوں کو عمارہ کی لاش لانے کے لیے روانہ کر دیا اور عصر کے وقت اُسے اپنے شوہر

کے پہلو میں دفن کیا جا رہا تھا۔

اپنے چچا کے گھر میں اس اجڑے ہوئے قلعے کے حسرت ناک منظر ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہتے اور وہ والدین کی اس آخری آرام گاہ پر ہمیشہ آنسوؤں کے موتی نچھاور کیا کرتی تھی۔

آج بھی شمال کی طرف وادیوں اور پہاڑوں میں بل کھاتی ہوئی سڑک کی طرف وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے "ممی جان!" اس نے ہلکی ہلکی سسکیاں لیتے ہوئے اپنے دل میں کہا "آپ مجھے اس بے رحم دنیا میں کیوں تنہا چھوڑ گئی ہیں؟" اور اس کے ساتھ ہی آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے منڈیر پر ٹپک پڑے۔

☆☆☆

روحِ آزادی

اس قلعے کی تباہی کے بعد غرناطہ کے لیے رسد و کمک کا ایک اہم رستہ بالکل غیر محفوظ ہو چکا تھا۔ سڑک پر صرف رات کے وقت رسد کے قافلے چل سکتے تھے اور ان کی حفاظت کے لیے آس پاس جگہ جگہ تیر اندازوں کی ٹولیاں لگاتار پہرہ دیتی تھیں۔ مشرق کی سمت دوسرے پہاڑی راستے نسبتاً غیر محفوظ تھے لیکن وہ اس قدر تنگ اور دشوار گزار رستے تھے کہ وہاں سے غلہ صرف خچروں پر لاد کر پہنچایا جا سکتا تھا۔ شمال میں ویگا کا زرخیز علاقہ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ ان دنوں موسیٰ بن غسان شہر سے نکل کر دشمن پر جوابی حملے کرتا۔ اس کا ہر ممکن حملہ اتنا شدید ہوتا کہ دشمن سینٹافے اور غرناطہ کے درمیان اپنی اگلی چوکیاں پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتا تھا اور اس سے پریشان حال قوم کی یہ امیدیں پھر سے زندہ ہو جاتی تھیں۔

دشمن شاید چند ہفتوں یا مہینوں بعد پھر ایک بار اپنا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہ حالات بدل جائیں گے اور اہل غرناطہ کے لیے رسد و کمک کی آسانیاں پیدا ہوتے ہی آلام و مصائب کا یہ دور ختم ہو جائے گا۔

عاتکہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں اب بھی اس بات کا یقین تھا کہ شہیدانِ امت کا خون کبھی رائگاں نہیں جائے گا اور اہل غرناطہ آلام و مصائب کے طوفانوں سے سرخرو ہو کر نکلیں گے۔

حامد بن زہرہ دور دراز علاقوں میں جہاد کی تبلیغ کیا کرتا تھا اور کئی کئی دن گاؤں سے غیر حاضر رہتا۔

سعید ان رضاکاروں کے دستے کا راہنما تھا جو جان پر کھیل کر اہل غرناطہ کو رسد پہنچایا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ ہاشم کے گھر آتا تو عاتکہ کو اہل غرناطہ کی ہمت اور شجاعت کی روح پرور داستانیں سناتا۔

ایک دفعہ وہ پانچ دن غیر حاضر رہا۔ بستی کے جو رضا کار اس کے ساتھ گئے تھے انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ جب وہ رسد لے کر غرناطہ پہنچے تو موسیٰ بن ابی غسان شہر سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ کر چکا تھا۔ اور سعید ان کے ساتھ واپس آنے کی بجائے لڑائی میں شریک ہو گیا تھا۔

سعید پانچویں دن واپس پہنچا اور اس نے ہاشم کو یہ اطلاع دی کہ غرناطہ میں اس کے تینوں بیٹے بخیریت ہیں۔ عبید اور امین سپہ سالار کے طوفانی دستوں میں نام پیدا کر چکے ہیں۔ عمیر محفوظ فوج کے ایک دستے کا سالار مقرر ہو چکا ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ اگر مجھے موقع ملا تو کسی دن تھوڑی دیر کے لیے گھر آؤں گا۔

ایک رات عاتکہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایک کتاب دیکھ رہی تھی کہ خادمہ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا "سعید کے ابا جان آگئے ہیں اور بھائی سعید بھی ان کے ساتھ ہیں"۔

حامد بن زہرہ دو ہفتوں سے غیر حاضر تھا اور عام حالات میں جب بھی وہ کسی سفر سے واپس آتا تو سب سے پہلے عاتکہ کے متعلق پوچھا کرتا تھا وہ جلدی سے کتاب بند کر کے اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے کے نیم وا دروازے کے قریب کھڑی تھی اور اسے ہاشم اور حامد کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ذرا دیر رک کر وہ جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو ہاشم نے اسے گھور کر دیکھا اور کہا "عاتکہ تم جاؤ ہم اس وقت ایک ضروری بات کر رہے ہیں"۔

عاتکہ واپس مڑ کر جانے لگی تو حامد نے کہا "نہیں بیٹی! جو باتیں سعید کی موجودگی میں کی جا سکتی ہیں وہ تمہارے سامنے بھی ہو سکتی ہیں"۔

عاتکہ نے ہاشم کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر حامد کے قریب بیٹھ گئی۔

حامد بن زہرہ کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد ہاشم سے مخاطب ہوا ’’غرناطہ کی موجودہ صورت حال تشویشناک نہیں۔ موسیٰ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم اس گئی گزری حالت میں بھی اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھ سکتے ہیں لیکن اب موسم سرما شروع ہونے والا ہے۔ جب برفباری شروع ہو جائے گی تو رسد و کمک کے بچے کھچے راستے بھی بند ہو جائیں گے اور موسیٰ بن ابی غسان یہ خطرہ محسوس کرتا ہے کہ باہر سے کوئی کمک نہ پہنچی تو محاصرے کی طوالت کے ساتھ غرناطہ کے مصائب بھی بڑھتے جائیں گے۔ انہوں نے جو قاصد سمندر پار کے اسلامی ممالک کی طرف روانہ کیے تھے انہوں نے ابھی تک کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ قیاس یہی ہے کہ انہیں سمندر عبور کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی ممکن ہے نصرانیوں نے انہیں گرفتار کر لیا ہو۔ اب ان کی خواہش ہے کہ میں شمالی افریقہ اور ترکی کے حکمرانوں کے پاس ان کا پیغام لے کر جاؤں‘‘۔

’’آپ موسیٰ سے ملے تھے؟‘‘

’’نہیں انہوں نے مجھے خط بھیجا تھا‘‘۔

’’لیکن آپ تو دورے پر تھے خط آپ کو کہاں ملا؟‘‘

’’ان کا خط سعید لایا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ کسی تاخیر کے بغیر روانہ ہو جاؤں‘‘۔

ہاشم نے سعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ’’لیکن تم غرناطہ سے واپس آ کر مجھے یہ نہیں بتایا کہ موسیٰ نے ان کے نام کوئی خط بھیجا ہے‘‘۔

سعید نے جواب دیا ’’انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں کسی سے اس کا ذکر تک نہ کروں‘‘۔

حامد نے کہا ’’میں جانے سے پہلے آپ سے یہ کہنا ضروری سمجھتا تھا کہ میرے حصے کا کام اب آپ کو کرنا پڑے گا۔

اہل غرناطہ کے اندرونی خلفشار ابوعبداللہ کی نااہلیت اور غداروں کی پے در پے

سازشوں کے باعث جنوب کے آزاد قبائل مایوس ہو چکے ہیں۔ موسیٰ صرف اس صورت میں جنگ جاری رکھ سکتا ہے جب کہ اسے ان علاقوں سے رسد و کمک ملتی رہے۔ آپ کے لیے مقامی قبائل کو یہ سمجھانا مشکل نہیں ہو گا کہ اگر اہل غرناطہ ہماری طرف سے مایوس ہو گئے تو ابو عبداللہ کے دربار میں امن پسندوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ موسیٰ نے اپنے خط میں یہ لکھا ہے کہ اس وقت بھی بعض سرکردہ لوگ ابو عبداللہ کو ہتھیار ڈال دینے کا مشورہ دے رہے ہیں اور علماء کا ایک بااثر گروہ بھی ان کا ہم خیال ہو چکا ہے۔ میں اس امید پر جا رہا ہوں کہ ہمارے بھائی ہمیں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اندلس کی حکومت کے عہدیداروں کی خانہ جنگی سے لاتعلق رہ سکتے تھے لیکن اب فرڈیننڈ کو شکست دینا لاکھوں مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ بن چکا ہے۔ میری غیر حاضری میں منصور کی نگہداشت آپ کے ذمے ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ سعید کو بھی آپ اپنا بیٹا سمجھیں گے۔ میں نے موسیٰ بن ابی غسان کا خط پڑھتے ہی جعفر کو یہ پیغام دے کر ان کی خدمت میں بھیج دیا ہے کہ میں بہت جلد روانہ ہو رہا ہوں"۔

ہاشم نے کہا "میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کو یقین ہے کہ بربر کے مسلمان ہماری مدد کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اہل غرناطہ ان کے منتظر رہیں جنگ جاری رکھ سکیں گے؟

حامد نے جواب دیا "اگر ہم اپنے آپ کو اللہ کی نصرت کا حقدار ثابت کر سکے تو ہمارے لیے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اہل غرناطہ کو بہر حال اپنے ماضی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ اب وہ ابو عبداللہ کے تخت و تاج کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ اپنی بقا کے لیے لڑ رہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے حوصلہ ہار دیا تو اندلس میں ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی۔ ہاشم! تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام آج بھی دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔

ہمارے ترک بھائیوں نے اہل یورپ کا غرور خاک میں ملا دیا ہے ن کی فتوحات کا سیلاب پولینڈ اور آسٹریا کی حدود تک پہنچ چکا ہے۔ ن کے ہاتھوں قسطنطنیہ میں سد ۔ کا پرچم نصب ہو چکا ہے۔ بحیرہ روم میں ان کے بحری بیڑے ٹلی ور وینشیا کے ساحلوں پر آگ برسا رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ گر انہوں نے ہمارے حال پر ذرا سی توجہ کی ور ن کے چند جہاز ندلس کے ساحل کی طرف آنکلے تو پوری قوم میں ایک نئی زندگی آجائے گی۔ میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ترک کتنے دنوں یا مہینوں تک ہماری مدد کے لیے پہنچیں گے لیکن یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اہل غرناطہ نے فتح یا شہادت کے سو کوئی ور راستہ قبول نہ کیا تو وہ ضرور آئیں گے۔ صبح امید کی روشنی صرف ن قافلوں کا مقدر ہے جو مایوسی کی تاریکیوں میں عزم و یقین کے چراغ جلاتے ہیں۔

ہل غرناطہ کا یہ فرض ہے کہ جب تک فتح و نصرت کے مالک کی بارگاہ میں ن کی دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں وہ اپنی امیدوں اور حوصلوں کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کے لیے خون مہیا کرتے رہیں۔ ایک مسلمان کے لیے شہادت کا راستہ ہی فتح و نصرت کا راستہ ہے۔ مجھے غرناطہ کے عوام سے کوئی خطرہ نہیں۔ نہیں غلامی کی ذلت کے مقابلے میں عزت کی موت کا راستہ دکھایا جا سکتا ہے۔ میں ندلس کے ساحل تک گھوم آیا ہوں ور ان بستیوں اور شہروں کے لوگوں کا حال جانتا ہوں جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نصرانیوں کی غلامی پر قانع ہو چکے ہیں۔ ور میں یہ بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ ان کے سینوں میں آزادی کے ولولے سرد نہیں ہوئے۔ جب کسی فق سے امید کی ہلکی سی کرن دکھائی دے گی تو وہ دوبارہ ٹھ کھڑے ہوں گے۔

مجھے صرف غرناطہ کے ان اکابر سے خدشہ ہے جو اپنی وقتی تدبیروں کو صراط مستقیم کا نعم البدل سمجھتے ہیں۔ مجھے ان عافیت پسندوں سے خطرہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب غرناطہ کا سپاہی پنی تلوار پھینک دے گا تو فرڈیننڈ ان کے لیے امن کا پیغام لے کر

دے گا۔ ان کے گھر اور جائدادیں محفوظ رہیں گی اور وہ نصرانیوں کے پہرے میں آرام کی نیند سو سکیں گے۔

"اگر کسی دن تم یہ محسوس کرو کہ غرناطہ میں ان خود فریب مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے تو تمہیں وہاں پہنچ کر انہیں راہ راست پر لانا چاہیے۔ غرناطہ کے حریت پسند عوام اور حق پرست علماء تمہارا ساتھ دیں گے۔ اب میں تم سے اجازت چاہتا ہوں۔ ابھی تمہیں چند ایک قابل اعتماد لوگوں کے سوا کسی سے میری مہم کا ذکر نہ کرنا چاہیے اور آخر تک تمہیں بھی بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے"۔

حامد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ہاشم نے کہا "آپ صبح جائیں گے؟"

"نہیں میں ابھی جا رہا ہوں۔ گھر میں میرا گھوڑا تیار کھڑا ہے"۔

"آپ کے ساتھ اور کون جائے گا؟"

"میں یہاں سے اکیلا جاؤں گا اور اگلی بستی سے کسی کو ساتھ لے لوں گا"۔

"میں آپ کو آپ کے گھر سے رخصت کروں گا۔"

وہ سماں اب اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا جب وہ حامد بن زہرہ کو گھر کے دروازے کے باہر آنسوؤں سے بھیگی ہوئی مسکراہٹوں کے ساتھ خدا حافظ کہہ رہی تھی اور پھر اپنے کمرے میں سربسجود ہو کر غرناطہ کے اس رجل عظیم کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

☆☆☆

حامد بن زہرہ کی روانگی کے بعد ہاشم چند ہفتے پوری تندہی سے اہل غرناطہ کو سامان رسد بھیجنے کی مہم میں حصہ لیتا رہا۔ لیکن جب موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ایک طرف بارش اور برف باری کے باعث پہاڑی راستوں پر آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہونے لگیں اور دوسری طرف دشمن کے چھاپہ مار دستوں کے حملے

شدت اختیار کرنے لگے تو عاتکہ اس کے طرزِ عمل میں بھی ایک غیر متوقع تبدیلی محسوس کرنے لگی تھی۔

عمیر ان ایام میں دو مرتبہ گھر آیا۔ پہلی بار اس نے دو دن قیام کیا اور اہلِ غرناطہ کی بے بسی اور بے چارگی کے جو حالات بیان کیے وہ انتہائی حوصلہ شکن تھے۔ دوسری بار وہ رات کے وقت گھر پہنچا۔ عاتکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ غرناطہ سے دو بااثر آدمی اس کے ساتھ آئے ہیں۔

وہ غرناطہ کے تازہ حالات سننے کے لیے بے قرار تھی لیکن اسے عمیر کی گفتگو کا موقع نہ ملا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو مہمان خانے میں پہنچا کر اپنے باپ کو اطلاع دی کہ وہ ابوالقاسم کی طرف سے کوئی اہم پیغام لائے ہیں۔ ہاشم ان کے ساتھ مہمان خانے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد عمیر صحن میں نوکروں سے کہہ رہا تھا "تم جلدی سے کھانا تیار کرو اور گھوڑوں کو چارہ ڈال دو۔ زینیں اتارنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کھانا کھاتے ہی واپس چلے جائیں گے۔ ابا جان کا گھوڑا بھی تیار کر دو۔ وہ بھی ہمارے ساتھ جائیں گے"۔

عاتکہ کچھ دیر اضطراب کی حالت میں اپنی چچی کی طرف دیکھتی رہی۔ بالآخر اس نے کہا "چچی جان! عمیر کا چہرہ بتا رہا ہے کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ اب اگر ابوالقاسم کے ایلچی راتوں رات چچا کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ غرناطہ میں کوئی اہم واقعہ پیش آ چکا ہے"۔

سلمیٰ نے جواب دیا "بیٹی! تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم عمیر کو جانتی ہو۔ اگر کوئی بری خبر ہوتی تو وہ اندر آتے ہی دہائی مچا دیتا۔ تم اطمینان رکھو۔ اگر کوئی اہم بات ہوئی تو تمہارے چچا مجھے بتائے بغیر غرناطہ نہیں جائیں گے۔ میں عمیر سے امین اور عبید کے متعلق بھی نہیں پوچھ سکی"۔

تھوڑی دیر بعد عاتکہ اضطراب کی حالت میں بالاخانے میں اپنے کمرے کا رخ کر رہی تھی۔ زینے کے اندر بالائی منزل کے دروازے سے دو قدم نیچے ایک کھڑکی سکونتی مکان اور مہمان خانے کے درمیان ان کوٹھریوں کی چھت کی طرف کھلتی تھی جہاں ان کے دو ملازم رہتے تھے۔

عاتکہ کھڑکی کے سامنے رک گئی۔ پھر وہ جھجکتی ہوئی بند کھڑکی کی کنڈی کھول کر کوٹھریوں کی چھت پر اتر گئی اور دبے پاؤں آگے بڑھی۔

کوئی تیس قدم آگے اس چھت کا ایک کنارا مہمان خانے کی عقبی دیوار سے جا ملتا تھا لیکن مہمان خانے کے کشادہ کمروں کی چھت اس چھت سے کوئی ڈیڑھ گز اونچی تھی۔ اور چھت سے ذرا نیچے دو چھوٹے چھوٹے روشندان تھے۔ ایک روشندان کھلا تھا اور وہاں سے کمرے کی دھیمی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ عاتکہ نے گھٹنوں کے بل ہو کر اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اس کی نگاہیں نیچے نہ جا سکیں۔ وہ صرف آوازیں سن سکتی تھی۔

کوئی کہہ رہا تھا "دیکھیے اگر یہ معاملہ اس قدر اہم نہ ہوتا تو وزیر اعظم ابو القاسم آپ کو رات کے وقت سفر کرنے کی تکلیف نہ دیتے۔ وہ اپنے خط میں ساری تفصیلات بیان نہیں کر سکتے۔ تاہم آپ حالات کی نزاکت کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں ہمارے لیے غرناطہ کو تباہی سے بچانے کا یہ آخری موقع ہے اور اگر ہم نے یہ موقع کھو دیا تو ہماری آئندہ کی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی"۔

ہاشم کی آواز آئی "میں نے ابو القاسم کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کیا۔ میں غرناطہ چلنے کے لیے تیار ہوں لیکن اگر ابو القاسم یہ چاہتے ہیں کہ میں اس علاقے کے تمام قبائل کی طرف سے کوئی ذمہ داری قبول کروں تو مجھے پہلے ان قبائل کے اکابر سے مشورہ کرنا پڑے گا"۔

دوسری آواز آئی "جناب ابو القاسم نے آپ کو اس لیے نہیں بلایا کہ وہ آپ کو کوئی

کی ذمہ داری سونپنا چاہتے ہیں جسے آپ پورا نہ کرسکیں۔ وہ صرف قوم کے اکابر سے مشورہ لینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ آپ کو قائل نہ کرسکے تو ممکن ہے کہ آپ انہیں قائل کرسکیں۔ آپ کو بلاوا بھی اسی لیے ہے کہ وہ آپ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔

ہاشم نے کہا "بہت اچھا میں تیار ہوں"۔

عمیر نے کہا "ابا جان! مجھے یقین تھا کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔ اسی لیے میں نے آتے ہی آپ کا گھوڑا تیار کرنے کا کہہ دیا تھا"۔

ہاشم نے کہا "تم جا کر بچی ماں کو تسلی دو تمہارے بھائی بخیریت ہیں"۔

کمرے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور عاتکہ جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ اس کے دل کا بوجھ قدرے کم ہو چکا تھا اور وہ اپنے دل کو یہ تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ وزیر ابوالقاسم دشمن پر فیصلہ کن حملہ کرنے سے پہلے قوم کے اکابر سے مشورہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس بات سے اسے الجھن محسوس ہوتی تھی کہ موسیٰ بن ابی غسان کے ہوتے ہوئے یہ پیغام وزیر کی طرف سے کیوں آیا ہے اور اس کے چچا کے تذبذب کی کیا وجہ تھی!

☆☆☆

ہاشم کو غرناطہ گئے دس دن ہو چکے تھے اور گاؤں میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اسی دوران سعید بھی گاؤں سے غیر حاضر رہا۔ منصور ہر روز عاتکہ کے گھر آتا تھا لیکن سعید کے متعلق وہ بھی کوئی تسلی بخش اطلاع نہ دے سکا۔ ایک دن عاتکہ نے زبیدہ کو بلا کر تاکید کی کہ تم سعید کے واپس آتے ہی ہمارے ہاں بھیج دینا۔

دو دن بعد وہ صبح کی نماز سے فارغ ہوئی تھی کہ منصور بھاگتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا:

"ماموں جان آگئے ہیں"۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"مسجد میں لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ ابھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ رات کے وقت گھر پہنچے تھے"۔

عاتکہ تیزی سے منصور کے ساتھ نیچے اتری۔ اس نے برآمدے سے پچھلے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے صحن عبور کیا اور ڈیوڑھی کے قریب رک کر سعید کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد سعید کی جھلک دکھائی دی عاتکہ چند قدم بائیں طرف ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ سعید نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:

"مجھے رات آتے ہی تمہارا پیغام مل گیا تھا لیکن بہت دیر ہوگئی ہے۔ تم بہت پریشان ہو، کیا ہے؟"

عاتکہ نے پوچھا "تم غرناطہ گئے تھے؟"

"نہیں! مجھے وہاں جانے کا موقعہ نہیں ملا۔ میں پچھلے دنوں البجارہ میں مصروف رہا ہوں۔ مجھے وہاں رضا کار بھرتی کرنے کا کام سونپا گیا تھا"۔

عاتکہ نے کہا "تمہیں کچھ معلوم ہے کہ غرناطہ میں کوئی اہم فیصلہ ہو رہا ہے؟"

سعید نے جواب دیا "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ موسیٰ بن ابی غسان بہت جلد شہر سے نکل کر دشمن پر حملہ کریں گے اور ساتھ ہی سمندر کے ساحل تک مفتوح علاقوں کے عوام دشمن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ غرناطہ کے حالات ایسے نازک ہیں کہ ہم زیادہ دیر تک کا دکا جھڑپوں پر اکتفا نہیں کر سکتے"۔

"تم نے ایک دن کہا تھا کہ ابو عبداللہ اور ان کا وزیر ابوالقاسم اس جنگ کے نتائج کے متعلق زیادہ پرامید نہیں۔ اگر ان کا بس چلا تو وہ جنگ جاری رکھنا پسند نہیں کریں گے"۔

"ہاں! غرناطہ کے عوام بھی محسوس کرتے ہیں لیکن موسیٰ بن ابی غسان کی موجودگی میں ان کا بس نہیں چلے گا"۔

"تمہیں معلوم ہے کہ چچا ہاشم گزشتہ دس دن سے غرناطہ میں ہیں؟"

"ہاں میں نے گھر پہنچتے ہی یہ بات سنی تھی"۔

"لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ ابوالقاسم کی دعوت پر وہاں گئے ہیں۔ اس کی طرف سے دو آدمی یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ وزیر اعظم نے آپ کو ایک اہم مشورے کے لیے بلایا ہے۔ عمیر ان کے ساتھ تھا"۔

"لیکن اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے! تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے چچا کے خیالات سپہ سالار کے خیالات سے مختلف نہیں اور وہ ابوالقاسم کو کوئی غلط مشورہ نہیں دے سکتے"۔

عاتکہ نے کہا "اگر حملے کے متعلق کوئی بات ہوتی تو چچا جان کو ابوالقاسم کی بجائے موسیٰ کی طرف سے پیغام آنا چاہیے تھا۔ میں یہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں کہ کہیں ابوالقاسم نے موسیٰ کا اثر کم کرنے کے لیے قوم کے بارہ بااثر افراد کو اپنا ہم خیال بنانے کی مہم نہ شروع کر دی ہو"۔

سعید نے جواب دیا "موجودہ حالات میں ہمیں ایسی بات سوچنی نہیں چاہیے۔ اگر ابوالقاسم کے دل میں ایسا خیال آیا بھی تو وہ تمہارے چچا کو رام کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اگر اس نے چچا ہاشم سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی ہے تو اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حالات نے اس کو موسیٰ کے ذہن سے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ دشمن سے آخری معرکے کے لیے قوم کے فعال عناصر کا تعاون حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ تمہارے چچا جان کے متعلق سے یہ غلط فہمی تک نہیں ہو سکتی کہ وہ صلح کی کسی بھی تجویز پر بات کرنا پسند کریں گے"۔

عاتکہ نے پرامید ہو کر کہا "اگر تم یہاں ہوتے تو مجھے اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ میں یہ سوچا کرتی تھی کہ شاید فوج کا ایک عنصر اس طویل جنگ سے دل برداشتہ ہو کر صلح کا حامی بن چکا ہے اور

وہ موسیٰ کو اپنے رستے سے ہٹانے کے لیے کوئی گہری سازش کر رہا ہے"۔

سعید مسکرا دیا "وہم کا تو کوئی علاج نہیں۔ تمہارے اطمینان کے لیے کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارے چچا جان غرناطہ میں موجود ہیں؟"

عاتکہ نے جواب دیا "میں چچا ہاشم پر شک نہیں کرتی لیکن گزشتہ چند ہفتوں سے ان کے طرز عمل میں کافی تبدیلی آ چکی ہے۔ جہاد کی تبلیغ کے متعلق ان کا جوش سرد پڑ چکا ہے اور جنگ کی بجائے اب وہ اپنے بیٹوں کے متعلق سوچتے رہتے ہیں"۔

عاتکہ! ہر باپ اپنی اولاد کے متعلق سوچتا ہے۔

"پہلے تو یہ حالت ہوتی تھی اگر کوئی ذرا سی مایوسی کا اظہار کرتا تھا تو وہ اس پر برس پڑتے تھے۔ عمیر سے وہ اس لیے ناراض رہا کرتے تھے کہ وہ دشمن کی قوت سے مرعوب تھا لیکن اب عمیر ان کے سامنے موسیٰ پر بھی نکتہ چینی کرتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں"۔

سعید نے جواب دیا "وہ یہ جانتے ہیں کہ عمیر بے وقوف ہے"۔

"کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ابوالقاسم کے ایلچی عمیر کے ساتھ آئے تھے؟"

"عاتکہ تم بے وجہ پریشان ہو رہی ہو۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ غرناطہ سے آنے والے ایلچیوں نے آخر کسی رہنما کی ضرورت محسوس کی ہوگی اور تمہارا عمزاد اتنا بے وقوف آدمی نہیں کہ وہ انہیں اپنے گھر کا راستہ بھی نہ دکھا سکتا"۔

عاتکہ ہنس پڑی۔ اس کے دل سے وسوسے کا رہا سہا بوجھ اتر چکا تھا۔

سعید نے کہا "چلو میں چچی جان کو سلام کرنا چاہتا ہوں"۔

☆☆☆

اگلے روز ہاشم غرناطہ سے واپس آگیا۔

سعید اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی اس کے گھر پہنچ گیا۔ ہاشم بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ سلمیٰ اور عاتکہ اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ عاتکہ سعید کے لیے کرسی خالی کر

کے پیچھے ہٹ گئی اور سعید نے بیٹھتے ہی دریافت کیا "مجھے ابھی منصور نے اطلاع دی تھی کہ آپ غرناطہ سے لوٹ آئے ہیں اور میں اسی وقت اٹھ کر چلا آیا۔ کہیے آپ کب پہنچے؟"

"مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی"۔ ہاشم نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں بہت تھک گیا ہوں۔ غرناطہ میں مجھے آرام کا موقع نہیں ملا"۔

"آپ نے بہت دن لگا دیے چچی جان آپ کے متعلق بہت پریشان تھیں"۔

"میرا خیال تھا کہ میں ایک دو دن ٹھہر کر واپس آ جاؤں گا لیکن مجھے رکنا پڑا"۔

"چچی جان کہتی ہیں کہ وہاں سے دو آدمی کوئی پیغام لے کر آئے تھے اور آپ اچانک روانہ ہو گئے تھے"۔

ہاشم نے گھور کر سلمیٰ کی طرف دیکھا اور پھر سعید کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مجھے ابو القاسم نے بلایا تھا۔ غرناطہ میں خوراک کے قحط نے انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اگر دشمن نے موسم سرما کے اختتام تک محاصرہ جاری رکھا تو ہزاروں آدمی بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے اور عوام کی طرح لشکر میں بھی بددلی پھیل جائے گی"۔

موسیٰ بن ابی غسان کو اصرار ہے کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر پوری فوج کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر دشمن پر بھرپور ضرب لگانی چاہیے لیکن غرناطہ کے اکابر کا ایک بڑا گروہ اس تجویز کا مخالف ہے"۔

"آپ کو تو وزیر اعظم نے بلایا تھا۔ کیا وہ بھی موسیٰ کی تجاویز کے مخالف ہیں؟"

"نہیں، وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ غرناطہ سے نکل کر فیصلہ کن جنگ سے قبل دشمن کے خلاف اور کئی محاذ کھول دیے جائیں تاکہ اس کی طاقت بٹ جائے۔ مجھ

سے وہ یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ کوہستانی علاقوں کے قبائل اہل غرناطہ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کس حد تک ان سے تعاون کریں گے۔

میں نے انہیں یہ جواب دیا تھا کہ میں اپنے قبیلے یا اپنے پڑوس کے چند قبائل کی ذمہ داری تو لے سکتا ہوں لیکن دوسرے علاقوں کے قبائل کو میدان میں لانے کے لیے ان کے سرداروں کو اعتماد میں لینا نہایت ضروری ہے۔ اب حکومت کے ایلچی ان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں"۔

قبائل نے ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا اور اب اہل غرناطہ کو جو تھوڑی رہی ہے وہ بیشتر انہی کے ایثار و خلوص کا نتیجہ ہے۔ موسیٰ بن ابی غسان سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"ہاں! انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ غرناطہ کے امن پسندوں کو ہتھیار ڈالنے کے خطرات سے آگاہ کروں۔ یہی وجہ تھی کہ میں جلد واپس نہ آ سکا"۔

سعید نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بڑے ادب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں وہ سلطان ابو عبداللہ اور ابوالقاسم موسیٰ بن ابی غسان سے بددل ہو کر کوئی خطرناک فیصلہ تو نہ کر بیٹھیں گے؟"

ہاشم نے جواب دیا "ان کے متعلق میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن مجھے یہ خدشہ ضرور ہے کہ اگر ہمیں بیرونی ممالک سے کوئی موثر امداد نہ ملی تو غرناطہ میں صلح پسند عناصر کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ ابھی تک ہمیں تمہارے بھائی جان کی طرف سے بھی کوئی پیغام نہیں ملا۔ خدا جانے وہ کہاں ہیں!"

موسیٰ نے مجھے دیکھتے ہی ان کے متعلق پوچھا تھا اور میں اس سے زیادہ کوئی جواب نہ دے سکا تھا کہ اگر وہ زندہ ہیں تو انشاء اللہ بہت جلد واپس آ جائیں گے۔

سعید بیٹا! ان کی کامیابی کے لیے دعا کرو۔ اگر وہ ترکوں سے چند جنگی جہاز اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے تو اہل غرناطہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑ جائے گی اور پھر

تم دیکھو گے کہ اندلس کے ہر مسلمان کا گھر ایک مضبوط قلعے مین تبدیل ہو چکا ہو گا۔ میں اپنی ہمت اور استعداد کے مطابق پوری کوشش کر چکا ہوں کہ قوم ان کی آمد تک دشمن کے خلاف سینہ سپر رہے لیکن قوم کی رگوں میں اب وافر خون نہیں رہا"۔

سعید نے کہا "آپ کو بددل نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد واپس آئیں گے اور اہل غرناطہ ان کی واپسی تک جنگ جاری رکھ سکیں گے"۔

"خدا کرے تمہاری توقعات درست ثابت ہوں لیکن میری یہ حالت ہے کہ جب مجھے قوم کے مستقبل کا خیال آتا ہے تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے"۔

ہاشم نے یہ کہہ کر کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد سعید کمرے سے باہر نکلا تو عاتکہ صحن میں پہنچ کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سعید نے اس کے قریب رکتے ہوئے کہا۔ "عاتکہ سچ کہو اب بھی تم اپنے چچا کے متعلق کوئی بے اطمینانی محسوس کر رہی ہو؟"

"نہیں! اب مجھے ان کے متعلق کوئی بے اطمینانی نہیں۔ میں صرف عمیر کی وجہ سے پریشان تھی"۔

سعید نے کہا "مجھے ان کی گفتگو سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ غرناطہ کے حالات سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ میں وہاں ہو آؤں۔ آج شام تک کچھ رضا کار جو جنوب سے غلہ لا رہے ہیں یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں ان میں شامل ہو جاؤں گا اور انشاء اللہ وہاں پہنچتے ہی تازہ حالات سے آگاہ کروں گا"۔

"مگر اب غرناطہ کا کوئی راستہ محفوظ نہیں رہا"۔

"مجھے معلوم ہے لیکن گزشتہ ہفتوں میں دشمن کے چھاپہ مار دستے بہت نقصان اٹھا چکے ہیں۔ اب وہ رات کے وقت پہاڑی علاقوں میں قدم رکھتے ہوئے یہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ وہاں ایک ایک جھاڑی کے اندر اور ہر پتھر کی اوٹ میں ہمارے آدمی چھپے ہوئے ہیں اور وہ کسی موڑ کے قریب پہنچتے ہی ان کے نیزوں کی زد میں

جائیں گے۔ غرناطہ کی سڑک کے آخری چند میل ہمارے لیے زیادہ غیر محفوظ تھے لیکن اب ہم نے یہ راستہ ترک کر دیا ہے اور رسد کا سامان چھکڑوں کی بجائے خچروں پر لاد کر ان تنگ و دشوار گزار راستوں سے لایا جاتا ہے جہاں دشمن کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ ہماری فوج کو معلوم ہوتا ہے کہ رسد کا قافلہ کس راستے سے آ رہا ہے اور کس وقت پہنچے گا۔ اس لیے شہر کے آس پاس اگر دشمن کے حملے کا احتمال بھی ہو تو قافلے کی حفاظت کے لیے محافظ سپاہی بھیج دیے جاتے ہیں"۔

عاتکہ بولی "میں غرناطہ کے متعلق بہت پریشان ہوں۔ آپ جلد واپس آنے کی کوشش کریں"۔

☆☆☆

عاتکہ کا خیال تھا کہ غرناطہ کے مخدوش حالات ہاشم کو چین سے بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے اور وہ ایک نئے ولولے اور تازہ جوش و خروش کے ساتھ پہاڑی قبائل میں جہاد کی تبلیغ شروع کر دے گا۔ لیکن ہاشم کی اب یہ حالت تھی کہ جہاد کی تبلیغ تو درکنار وہ تو گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

غرناطہ کے متعلق طرح طرح کی افواہوں سے پریشان ہو کر آس پاس کی بستیوں کے لوگ اس سے ملنے آتے تھے۔ اس کے پاس ان کے تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہوتا تھا "غرناطہ کو اب بوڑھے آدمیوں کے الفاظ کے بجائے نوجوانوں کے خون کی ضرورت ہے۔ اگر تم مزید خون دے سکتے ہو تو یہاں باتیں کرنے کی بجائے وہاں پہنچ جاؤ ورنہ یہ دعا کرو کہ باہر سے کوئی تمہاری مدد کے لیے پہنچ جائے۔ میں غرناطہ کے اکابر سے مل چکا ہوں۔ اب یہ بات ان سے پوشیدہ نہیں رہی کہ حامد بن زہرہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی اعانت حاصل کرنے کے لیے جا چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس کے کامیاب واپس آنے کی امید پر آخری دم تک لڑتے رہیں گے۔ لیکن رسد کی کمی کے باعث غرناطہ کے حالات بہت نازک ہو

چکے ہیں۔ اس لیے تمہیں دعا کرنی چاہیے کہ حامد بن زہرہ جلد واپس آ جائے ور غرناطہ کے کاربر مایوسی کی حالت میں کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو ہماری تباہی کا باعث ہو"۔

ہاشم کی بیوی س کے متعلق بہت پریشان تھی اور وہ عاتکہ سے کہا کرتی تھی "بیٹی پنے چچا کے لیے دعا کرو وہ حوصلہ ہارنے والوں میں سے نہیں تھے لیکن اب کوئی غم نہیں ندر ہی ندر کھائے جا رہا ہے۔ وہ رات بھر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں ور کبھی بے چینی کی حالت میں ٹھلنا شروع کر دیتے ہیں۔

عاتکہ سے تسلی دیتی "چچی جان! ان دنوں قوم کا ہر بہی خواہ مضطرب ہے۔ چچی جان کو غرناطہ میں قیام کے دوران ایسے لوگوں کی باتوں سے صدمہ پہنچا ہے جو پنی آزادی کی قیمت پر امن چاہتے ہیں۔ ان کی بے چینی کی وجہ یہ بھی ہے کہ بھی تک سعید کے بوجان نے کوئی اطلاع نہیں بھیجی لیکن مجھے یقین ہے کہ جب وہ کوئی امید افزا پیغام لے کر آئیں گے تو ان کے حوصلے پھر زندہ ہو جائیں گے۔

☆☆☆

سعید کو غرناطہ گئے یک ہفتہ گزر چکا تھا لیکن اس نے بھی وہاں کے بارے میں کوئی طلاع نہیں بھیجی تھی۔

پھر یک دن غرناطہ کے سپہ سالار موسیٰ بن ابی غسان کے متعلق مختلف خبریں مشہور ہوئیں۔

یک طلاع تھی کہ وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں ابو عبداللہ کے دربار سے نکلے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد انہوں نے تنہا شہر سے نکل کر حملہ کر دیا تھا ور دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے روپوش ہو گئے تھے۔

یک خبر تھی کی وہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرتے اور اس کے کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ تارتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ جہاں زخموں سے چور

ہونے کے بعد انہوں نے گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی تھی اور پھر اسلحہ کے بوجھ کی وجہ سے ان کی لاش اوپر نہ آسکی۔

اور بعض لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ دشمن سے لڑتے بھڑتے پہاڑوں میں پہنچ گئے ہیں وہاں سے جنگجو قبائل کی فوج تیار کرنے کے بعد واپس آ جائیں گے۔

لیکن اگلے روز گاؤں میں اس خبر سے کہرام مچ گیا کہ سلطان ابو عبداللہ نے عارضی صلح کے لیے دشمن کی سب شرائط مان لی ہیں۔

اس لڑائی کے حادثے کے تین دن بعد سہ پہر کے وقت سعید گھوڑا دوڑاتا ہوا سیدھا ہاشم کے گھر پہنچا۔ وہ برآمدے کے سامنے دھوپ میں لیٹا ہوا تھا۔ سلمیٰ اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

سعید گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھا۔ ہاشم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ چند ثانیے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر سعید کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور ہاشم نے بے بسی کی حالت میں سر جھکا لیا۔

سلمیٰ نے کہا "بیٹھ جاؤ بیٹا!"

وہ ہاشم کے قریب بیٹھ گیا۔

خادمہ سلمیٰ کی پانچ سالہ یتیم بھانجی برآمدے میں کھڑی عاتکہ کو آوازیں دے رہی تھی "آپا جان! وہ آ گئے ہیں منصور کے ماموں جان آ گئے ہیں"۔

عاتکہ ایک کمرے سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی اور ان کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ اور شدت گریہ کے باعث آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

سلمیٰ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سلمیٰ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا "سعید اب کیا ہوگا؟"

"چچی جان!" اس نے جواب دیا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قوم کی روح آزادی سلب کر دی گئی ہے اور اب ہم اپنے مستقبل کے متعلق ہر سوال کا جواب دشمن کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں تلاش کیا کریں گے"۔

سلمیٰ نے پوچھا "تمہیں یقین ہے کہ موسیٰ بن ابی غسان شہید ہو چکے ہیں؟"

"ہاں! دشمن نے ان کا خالی گھوڑا شہر بھیج دیا تھا۔ اسے گلیوں اور بازاروں میں پھرایا جا چکا ہے۔ اہل شہر پر خوف و ہراس مسلط ہے اور حکومت کے عہدہ دار عوام کو یہ تسلی دے رہے ہیں کہ سلطان نے صرف ستر دن کے لیے جنگ بند رکھنے کا معاہدہ کیا ہے۔ اس عرصہ میں اگر ہمیں باہر سے امداد مل گئی تو اہل غرناطہ دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے آزاد ہوں گے"۔

ہاشم نے کہا "اگر موسیٰ بن ابی غسان کو ستر دن کے بعد دوبارہ جنگ شروع کرنے کی امید ہوتی تو وہ اتنے بددل نہ ہوتے۔ فرڈیننڈ بے وقوف نہیں ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ امن کے ستر دن گزارنے کے بعد اہل غرناطہ دوبارہ تلوار اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے"۔

سعید نے جھجکتے ہوئے ہاشم سے سوال کیا "آپ کو معلوم تھا کہ سلطان ابو عبداللہ اور وزیر ابو القاسم ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟"

"نہیں میں صرف اتنا جانتا تھا کہ ابو عبداللہ کی قوت فیصلہ مفلوج ہو چکی ہے اور ابو القاسم کے ہاتھ اتنے مضبوط نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جنگ جاری رکھ سکے۔ اس لیے ابو عبداللہ کے دربار میں صلح پسندوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور اس نے ان کی باتوں میں آکر کوئی غلط فیصلہ کر لیا تو وہ ایک وزیر کی حدود و اختیار سے باہر نکل کر مخالفت نہیں کرے گا۔

جب میں اس سے ملا تھا تو وہ بہت مایوس تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ موسیٰ بن ابی غسان کی عزیمت اور مردانگی کے باوجود ہم اس تلخ حقیقت سے آنکھیں بند نہیں

رکھتے کہ غرناطہ کے صلح پسند امراء اور امراء کی طرح فوج کے بعض عہدہ دار بھی اس جنگ کے نتائج سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ کسی نے ابوعبداللہ مجھے یہ حکم نہ دے کہ ہمیں ہر قیمت پر صلح کر لینی چاہیے"۔

سعید نے کہا "لیکن غرناطہ میں تو اس قسم کی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں کہ غرناطہ کے امن پسندوں کو ابوالقاسم کی سرپرستی حاصل تھی اور موسیٰ سے ان کے اختلافات بہت بڑھ گئے تھے"۔

ہاشم نے جواب دیا "تمہیں ابھی عوام کو اندرونی حالات کا علم نہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ موسیٰ کسی تاخیر کے بغیر پوری فوج کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ہر فیصلہ کن حملہ کرنا چاہتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ موجودہ حالات کے پیش نظر غرناطہ کا کوئی سنجیدہ آدمی ان کی تجویز کی مخالفت نہیں کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے ابوعبداللہ کو یہ مشورہ دیا کہ فوراً شہر کے اکابر کو جمع ہونے کی دعوت دیں۔ تاکہ فیصلہ کن جنگ کے لیے ان کی تائید و حمایت حاصل کی جا سکے۔ لیکن ابوالقاسم کو یہ خدشہ تھا کہ امن پسند امراء اور علماء کا ایک بااثر گروہ اس تجویز کی مخالفت کرے گا

ابوالقاسم نے موسیٰ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر آپ کی تجویز بھرے دربار میں ٹھکرا دی گئی تو عوام پر بہت برا اثر پڑے گا۔ اس لیے آپ کو یہ معاملہ کھلے دربار میں پیش کرنے کی بجائے یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہاں آپ کے ہم خیال لوگوں کا پلہ بھاری ہوگا ورنہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ شکست خوردہ ذہن کے لوگوں کو یہ امید دلا سکیں کہ جب اہل غرناطہ میدان میں نکلیں گے تو وہ تنہا نہیں ہوں گے۔

ان کی جنگ پورے اندلس میں پھیل جائے گی اور پھر بیرونی ممالک بھی ان کی پشت پر ہوں گی۔ جب تک ایسی صورت پیدا نہیں ہوتی اہل غرناطہ کو اپنے حصار سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ لیکن موسیٰ کو غرناطہ کے اکابر کے متعلق غلط فہمی تھی کہ وہ خودکشی کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ میں غرناطہ سے واپس آیا تو تم بار بار یہ پوچھتے تھے کہ اس قدر

مغموم کیوں ہوں اور میں تمہیں ٹالنے کی کوشش کرتا تھا لیکن آج میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر یہ معاملہ کھلے دربار میں زیر بحث آتا تو غرناطہ کے اکابر کی اکثریت ابو موسیٰ کا ساتھ نہ دیتی۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ موسیٰ جلد بازی سے کام لے رہے تھے۔ غرناطہ کے حالات نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ جلد کوئی قدم اٹھائیں۔ لیکن ان کی حقیقت پسندی اور ان کے عزم و خلوص کا احترام کرتے ہوئے بھی مجھے یہ ڈر محسوس ہوتا تھا کہ اب اہل غرناطہ اس عظیم انسان کے حوصلوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔

ابو القاسم کو کوسنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ ایک ایسے حکمران کا وزیر ہے جو اہل غرناطہ پر ایک عذاب کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اب اس کی آخری کوشش یہی ہو گی کہ جنگ بندی کے عرصہ میں دشمن سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کی جائیں۔ اس کے بعد اگر غلامی ہمارا مقدر نہیں بن چکی تو ممکن ہے کوئی اللہ کا بندہ ہماری مدد کو پہنچ جائے۔ لیکن اس وقت ہمیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اب اہل غرناطہ کا فیصلہ تبدیل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں اور جب تک کوئی امید افزا صورت پیدا نہیں ہوتی ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے کہ دشمن کو اس علاقے پر چڑھ دوڑنے کا بہانہ مل جائے۔ تم حامد بن زہرہ کے بیٹے ہو اور تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اب تمہاری حفاظت میری سب سے بڑی ذمہ داری ہے اور میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم جنگ بندی کے اس زمانے میں غیر محتاط لوگوں سے الگ تھلگ رہو گے۔

غرناطہ میں ان سرپھروں کی کمی نہیں جو کسی وقت بھی مشتعل ہو سکتے ہیں جب ایسے لوگ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے ساتھ دشمن کے جاسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب اہل غرناطہ کے بے

رسد کے رستے کھل جائیں گے اور تمہارے بغیر بھی یہ کام ہو سکے گا ور اگر وہاں جانا پڑے تو تمہیں عبید و راملین کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

مجھے اب بھی تمہارے باپ کا انتظار ہے۔ اور میری یہ امید ختم نہیں ہوئی کہ وہ دم توڑتی ہوئی قوم کے لیے نئی زندگی کا پیغام لے کر آئیں گے۔ لیکن جب تک ہمیں کوئی سہارا نہیں ملتا ہم پر امن رہ کر ہی کسی آنے والی آزمائش کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔"

سعید نے کہا "چچا جان! آپ مطمئن رہیں میری جانب سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہوگی۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان دنوں آپ کا غرناطہ میں موجود رہنا ضروری ہے۔ وہاں حریت پسندوں کو آپ کے مشوروں کی ضرورت ہوگی"۔

ہاشم نے جواب دیا "میں نہیں سمجھتا کہ اب میرے مشورے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ تاہم دو تین دن تک غرناطہ روانہ ہو جاؤں گا اور جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا لیکن اگر کسی وجہ سے مجھے زیادہ دن لگ جائیں اور اس عرصہ میں تمہارے باپ کی طرف سے کوئی پیغام آ جائے تو یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ اگر وہ خود پہنچ جائیں تو انہیں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ میں ان کی آمد کی اطلاع ملتے ہی یہاں پہنچ جاؤں گا۔

تازہ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد وہ خود ہی سمجھ جائیں گے کہ سردست انہیں لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا"۔

☆☆☆

چوتھے روز ہاشم غرناطہ جا چکا تھا۔ اس کی روانگی کے دو ہفتے بعد گاؤں کے تین آدمی جو غرناطہ کی فوج کے ملازم تھے رخصت پر گھر آئے اور انہوں نے یہ خبر سنائی کہ غرناطہ کے بعض حلقوں میں جنگ بندی کے خلاف شدید اضطراب پایا جاتا ہے اور لوگ جگہ جگہ ابو عبیداللہ کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔

پچھلے ہفتے لبسین کے محلے سے مشتعل عوام کا جلوس الحمرا کی طرف روانہ ہوا اور اسے منتشر کرنے کے لیے فوج کو میدان میں آنا پڑا۔

شہر میں یہ افواہ بھی گرم ہے کہ فرڈیننڈ اس صورت حال سے بہت مضطرب ہے اور اس نے سابقہ معاہدے کے مطابق سلطان ابوعبداللہ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ فوج کے تین افسروں اور شہر کے بااثر خاندانوں کے تین افراد کو یرغمال کے طور پر سینٹافے بھیجا جائے وہ بہت جلد بھیج دیے جائیں۔ ورنہ وہ جنگ بندی کے معاہدے کا پابند نہیں ہوگا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غرناطہ کے صلح پسند دوبارہ جنگ لڑنے کے تمام امکانات ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ابوعبداللہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ جن بااثر لوگوں سے بغاوت کا کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے انہیں قابو میں رکھنے کی یہی صورت ہے کہ ان کو یرغمال کے طور پر فوراً فرڈیننڈ کے حوالے کر دیا جائے اور ابوعبداللہ ان کے مشورے پر عمل درآمد کرنے کے لیے تیار ہو چکا ہے۔

سعید یہ خبر سنتے ہی ہاشم کے گھر پہنچا اور اس نے عاتکہ سے کہا "مجھے یہ خبر ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔ تاہم میں غرناطہ جانا چاہتا ہوں۔ چچا ہاشم کا پتا لگانا بھی ضروری ہے۔ انہیں وہاں گئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ گاؤں سے چار آدمی میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں اور ہم تھوڑی دیر تک روانہ ہو جائیں گے"۔

عاتکہ اور اس کی چچی نے سعید سے محتاط رہنے اور جلد واپس آنے کا وعدہ لے کر اسے خدا حافظ کہا اور تھوڑی دیر بعد پانچ برق رفتار سوار غرناطہ کا رخ کر رہے تھے۔

سعید کی روانگی کے دو دن بعد ہاشم واپس آیا اور اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی نڈھال سا ہو کر گر پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سلمیٰ کو بتا رہا تھا "مجھے اب تک یہ امید تھی کہ شاید ابوالقاسم یرغمال میں دیے جانے والوں کی فہرست سے امین اور سعید کا نام نکال دے گا لیکن

س فیصلے پر سلطان کی مہر ثبت ہو چکی ہے اور فہرست کی ایک نقل فرڈیننڈ کو بھیجی جا چکی ہے۔ ب کسی وقت چانا نہیں سینٹا فے بھیج دیا جائے گا"۔

سلمیٰ نے پنی آنسو پونچھتے ہوئے کہا "لیکن ابو القاسم تو آپ کا دوست ہے"

"مجھے ابو لقاسم سے کوئی شکایت نہیں۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ یقیناً میری مدد کرتا لیکن سالار کو صرف یہ حق کہ فوج کو پر امن رکھنے کے لیے سعید اور امین جیسے با اثر فسروں کو دشمن کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ تاہم ابو القاسم نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ چند دن تک نہیں واپس بلوا لے گا۔

سلمیٰ! حوصلے سے کام لو۔ میرے سامنے اپنے بیٹوں سے زیادہ اس علاقے کی بستیوں کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ فرڈیننڈ مجھے یک دشمن ور عبداللہ مجھے یک باغی قرار دے کر اپنی افواج اس علاقے میں بھیج دیں ور مجھے ہزاروں نسانوں کے قتل عام کا مجرم قرار دیا جائے۔

جن چار سو آدمیوں کو فرڈیننڈ کے کیمپ میں بھیجا گیا ہے ن کی حیثیت قیدیوں کے بجائے مہمانوں کی سی ہوگی۔ مجھے صرف اس بات کا غم ہے کہ ب مستقبل کی میدوں کے سارے چراغ بجھ گئے ہیں"۔

عاتکہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے چچا کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "سعید آپ کا پتا لگانے غرناطہ گیا تھا کیا وہ آپ سے نہیں ملا؟"

"ہاں وہ مجھ سے ملا تھا۔ میں اُسے اپنے ساتھ ہی لانا چاہتا تھا لیکن اس کو چند ضروری کام تھے۔ اس لیے وہ میرے ساتھ نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خطرناک راستہ ختیار نہیں کرے گا اور بہت جلد واپس آ جائے گا"۔

ور ب عاتکہ کی نگاہیں کھنڈ کے پار اس مکان پر مرکوز تھیں جہاں وقت کی تاریک آندھیوں سے وہ آج بھی امید کی کوئی کرن دیکھ سکتی تھی سے بڑی شدت سے سعید کا انتظار تھا

"ساتکرا سے زینے سے چچی کی آواز سنائی دی ساتکہ بیٹی! تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو؟ بہت سردی ہے بیٹی"۔

"آتی ہوں چچی جان!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

☆☆☆

ہاشم کا مہمان

جنگ بندی کو ابھی صرف پچیس دن گزرے تھے۔ مگر پچیس دنوں کے یہ لمحات عاتکہ کو بھیانک خواب نظر آتے تھے۔ جب ان خوابوں کا تسلسل ٹوٹ جاتا تو وہ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں بار بار اپنے دل سے پوچھتی:

"کیا آئندہ پینتالیس دنوں میں کوئی ایسا معجزہ رونما ہو سکتا ہے کہ ہماری بدنصیب قوم غلامی کی ذلت سے بچ جائے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حامد بن زہرہ اچانک واپس آجائے اور ہمیں یہ پیغام دے کہ ترکی الجزائر اور مراکش سے غازیان اسلام کے لشکر ہماری مدد کے لیے روانہ ہو چکے ہیں!"

ان سوالات کے جواب میں کبھی اس کا چہرہ عزم و یقین کی روشنی سے چمک اٹھتا اور کبھی اس پر بے یقینی اور تذبذب کے اندھیرے مسلط ہو جاتے۔

ایک روز سورج ڈوب رہا تھا اور مغربی افق پر بکھری ہوئی بدلیاں سرخ ہو رہی تھیں۔ اچانک اسے خالدہ کی آواز سنائی دی۔

"آپا جان! آپا جان! منصور کے ماموں آرہے ہیں!"

عاتکہ نے چونک کر زینے کی طرف دیکھا۔ خالدہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔ عاتکہ اس کے ساتھ نیچے اتری لیکن صحن میں اسے پریشان دیکھ کر ہنس پڑی۔

"وہ یہاں نہیں ہیں۔ آئیے میں آپ کو دکھاتی ہوں۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ ان کے پیچھے ایک سوار بھی آرہا ہے"۔

خالدہ اسے کھینچتی ہوئی ڈیوڑھی کی طرف لے گئی اور دروازے کے قریب پہنچ کر بولی:

"اوپر چلیں آپا جان! وہ یہاں سے نظر نہیں آئیں گے!"

وہ ڈیوڑھی کے قریب پہنچیں تو عاتکہ ادھر ادھر نظر دوڑانے کے بعد قدرے

مضطرب ہو کر پوچھا

"کہاں ہیں وہ؟"

خادمہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا: "آپا جان! اوپر چلیں وہ وہاں سے نظر آئیں گے"۔

وہ ایک تنگ زینے سے ڈیوڑھی کی چھت پر پہنچیں خادمہ بھاگ کر منڈیر کی طرف بڑھی وہ ایک ثانیہ نیچے جھانکنے کے بعد سرگوشی کے انداز میں بولی:

"آپا جان! ادھر دیکھیے وہ آ رہے ہیں"۔

عاتکہ آگے بڑھی اور پھر یکایک اس کی نگاہیں سعید پر جم کر رہ گئیں۔ وہ حویلی کے مغربی کونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس کے پیچھے ایک سوار آ رہا تھا۔

وہ دروازے کے سامنے پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ عاتکہ نے سعید کے ساتھی کو دیکھا تو ایک ثانیہ اس کی رگوں کا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس کے سر پر سفید عمامہ تھا۔ آنکھیں بھوری' ایک کان کا درمیانی حصہ کنارے تک پھٹا ہوا تھا۔ آنکھ کے کونے اور کان کے شگاف کی سیدھ میں زخم کا ہلکا سا نشان تھا۔ ڈاڑھی صاف تھی۔ سر کے بال عمامے میں چھپے ہوئے تھے۔ اگر اس کی مونچھوں اور ابروؤں کا رنگ سیاہ ہونے کے بجائے سرخی مائل ہوتا تو وہ کسی جھجک کے بغیر یہ کہہ سکتی تھی کہ اس کے چہرے کے خدوخال وہی ہیں جو اس کے دل پر نقش تھے۔

نوکروں نے باہر نکل کر گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔

سعید نے کہا "ان کا گھوڑا اصطبل میں باندھ دو اور میرا گھوڑا گھر پہنچا دو۔ جعفر سے کہو میں تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔ چچا ہاشم گھر میں ہیں نا؟"

ایک نوکر نے جواب دیا "وہ پڑوس کی بستی میں کسی کے جنازے میں گئے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔ آپ اندر تشریف رکھیں وہ آتے ہی ہوں گے"۔

وہ ڈیوڑھی عبور کر کے صحن میں پہنچے تو عاتکہ چھت کے دوسرے کنارے پر کھڑی

ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مہمان سعید کے ساتھ مہمان خانے میں چلا گیا تو خالدہ نے عاتکہ سے پوچھا

''سعید کو بلاؤں؟''

''نہیں تھوڑی دیر ٹھہرو!''

چند منٹ بعد سعید مہمان خانے سے باہر نکلا تو عاتکہ جلدی سے نیچے اتر کر اس کے رستے میں کھڑی ہو گئی۔

''سعید یہ تمہارے ساتھ کون آیا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''اس کا نام طلحہ ہے اور میں اس کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ قرطبہ سے فرار ہو کر غرناطہ آیا تھا اور اب کچھ عرصہ سے ابوالقاسم کے دفتر میں قسطلانی زبان کے مترجم کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ متارکہ جنگ کی گفتگو کے دوران اس نے سلطان کے دربار میں بھی ایک مترجم کے فرائض سرانجام دیے تھے۔ چند دن قبل اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ عمیر کے ساتھ آیا تھا اور عمیر نے ہمارا تعارف کرتے ہوئے کہا تھا کہ چچا ہاشم اسے جانتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب وہ غرناطہ آئے تھے تو اس سے ملاقات ہوئی تھی اور چچا ہاشم اس کی سرگزشت سن کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس کے بعد عمیر جب بھی امین اور عبید کے پاس آتا تھا تو یہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ مجھے وہ ایک مظلوم آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آج صبح مجھے معلوم ہوا کہ جن آدمیوں کو یرغمال کے طور پر دشمن کے حوالے کرنے کا فیصلہ ہوا تھا انہیں رات کے پچھلے پہر سینٹا فے روانہ کر دیا گیا ہے''۔

''عبید اور امین بھی ان کے ساتھ جا چکے ہیں''۔

''ہاں! میں یہ خبر سنتے ہی ان کے دوستوں سے ملا تھا اور پھر عمیر نے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں گھر پہنچ کر چچا ہاشم کو تسلی دوں لیکن مجھے حریت پسندوں کے ایک خفیہ اجتماع میں شریک ہونا پڑا اور وہاں کافی دیر لگ گئی۔

پھر دوپہر کے قریب میں واپس آکر سفر کی تیاری کر رہا تھا کہ عمیر طلحہ کو میرے پاس لے آیا اور اس نے یہ کہا کہ اگر تم گاؤں جا رہے ہو تو طلحہ کو ساتھ لیتے جاؤ۔ وزیر اعظم نے ابوجان کی تشفی کے لیے اسے ایک ذاتی خط دیا ہے۔ عمیر بذات خود اس کے ساتھ آنا چاہتا تھا لیکن غرناطہ کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس نے چھٹی لینا مناسب نہ سمجھا۔

عاتکہ نے کچھ سوچ کر پوچھا:

''تمہیں یقین ہے کہ اس کا نام طلحہ ہی ہے؟''

''ہاں میں نے اس کا یہی نام سنا ہے لیکن تم اتنی پریشان کیوں ہو؟''

عاتکہ نے جواب دیا:

''ماضی کے واقعات نے مجھے ہر انسان پر شک کرنا سکھا دیا ہے۔ میں نے تم سے عتبہ کا ذکر کیا تھا۔ اس کے یہی خدوخال تھے۔ وہ میرے تیر سے زخمی ہوا تھا بالکل اسی جگہ سے اس شخص کا کان بھی پھٹا ہوا ہے لیکن اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال سرخ تھے۔ یہ ڈاڑھی کے بغیر ہے اور اس کے سر کے بال مجھے نظر نہیں آئے۔ لیکن اگر مونچھیں اور بھویں سیاہ ہونے کی بجائے سرخی مائل ہوتیں تو میں یہی سمجھتی کہ اس نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے''۔

سعید نے کہا:

''عاتکہ تم نے جو حادثہ بچشم خود دیکھا ہے وہ انتہائی مضبوط دل انسان کے لیے بھی ناقابل برداشت تھا لیکن اس آدمی کے متعلق تمہیں وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارے باپ کا قاتل تمہارے گھر میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے کرسکتا ہے اور پھر تم خود ہی یہ کہہ رہی ہو کہ اس کی بھویں اور مونچھیں سرخ تھیں۔ میرے خیال میں اس کے زخم کے نشان سے تم کو وہم ہوا ہے۔ لیکن ایسے اتفاقات ناممکن نہیں کہ آدمیوں کے زخموں کے نشانات ایک جیسے ہو سکتے ہیں''۔

عاتکہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا:

"سعید میں سچ مچ ڈری ہوئی ہوں۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید اس نے کسی مصنوعی طریقے سے اپنے بالوں کو رنگ تبدیل کر لیا ہے۔ چلو اندر چلو! چچی جان بہت پریشان ہیں"۔

سعید عاتکہ کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سلمیٰ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید نے اسے غرناطہ کے حالات سنائے اور عبید اور امین کے متعلق تسلی دینے کے بعد کچھ دیر ہاشم کا انتظار کیا اور بالآخر اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ رات کے وقت رک جائیں۔ اس لیے مجھے اجازت دیجیے۔ میں کل علی الصبح ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ عاتکہ! اگر تمہیں مہمان کے متعلق اب بھی کوئی الجھن محسوس ہوتی ہے تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہوں"۔

"نہیں نہیں! مجھے اس کے متعلق کیا الجھن ہو سکتی ہے۔ اسے رہنے دیں۔ اگر چچا جان آ گئے تو وہ برا مانیں گے"۔

☆☆☆

سلمیٰ نے عشا کی نماز تک ہاشم کا انتظار کیا اور پھر ایک خادمہ سے کہا:

"اب شاید وہ نہ آئیں۔ اس لیے تم مہمان کے لیے کھانا بھیج دو!"

کچھ دیر بعد وہ عاتکہ سے باتیں کر رہی تھی کہ خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا:

"آقا آ گئے ہیں اور سیدھے مہمان خانے میں چلے گئے ہیں۔ کھانے کے متعلق انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ مہمان سے ملاقات کے بعد کھائیں گے!"

عاتکہ نے اچانک اٹھ کر کہا:

"چچی جان میں جاتی ہوں مجھے نیند آ رہی ہے"۔

"اتنی جلدی؟"

"چچی جان! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ شاید نماز پڑھتے ہی سو جاؤں"۔

خالدہ ساتھ والے کمرے سے باہر آتی ہوئی نظر آئی اور اس نے کہا

"آپ نے کہانی سنانے کا وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی"۔

"نہیں نہیں!" اس نے پریشان ہو کر کہا "تم اپنے بستر پر لیٹی رہو۔ میں نماز سے فارغ ہو کر تمہارے پاس آجاؤں گی"۔

خالدہ نے بسورتے ہوئے کہا:

"آپ تو نماز کے بعد سو جائیں گی"۔

عاتکہ اضطراب کی حالت میں اس کا بازو پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گئی اور جلدی سے بستر پر لٹانے اور اوپر لحاف ڈالنے کے بعد ذرا غصے سے کہا:

"باتونی لڑکی! اب آرام سے لیٹ رہو ورنہ آئندہ کبھی کہانی نہیں سناؤں گی"۔

خالدہ اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی۔ عاتکہ کمرے سے باہر نکل کر زینے کی طرف بڑھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھنے کی بجائے اس روشندان سے کان لگائے اپنے چچا اور مہمان کی گفتگو سن رہی تھی جو نوکروں کی کوٹھریوں کی چھت سے چند ہاتھ اونچا تھا۔

ہاشم کہہ رہا تھا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آچکا ہو اور مجھے خبر نہ ہو۔ ابوالقاسم کو ایک فوجی پر یقین نہیں کرنا چاہیے"۔

مہمان نے کہا:

"جناب! حامد بن زہرہ کے متعلق پہلی اطلاع یہ تھی کہ وہ مالقہ کے قید خانے میں پڑا ہوا ہے"۔

"ابوالقاسم کو یہ معلوم تھا کہ وہ قید ہو چکا ہے؟"

”انہیں فرڈیننڈ نے یہ خبر پوشیدہ رکھی تھی اور اسے واپس لانے کے لیے ایک جنگی جہاز روانہ کر دیا تھا اس خیال سے کہ مالٹا میں اس کے سفیر نے کسی دوسرے آدمی کو حامد بن زہرہ نہ سمجھ لیا ہو۔ اس جہاز پر اس کی شناخت کے لیے دو جاسوس بھی بھیج دیے تھے۔

یہ جہاز کئی دنوں سے لاپتہ تھا اور اب مالٹا سے اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ جس قیدی کو اس پر لایا جا رہا ہے وہ حامد بن زہرہ ہی تھا۔ ان دنوں بحیرہ روم کے مغربی حصے میں ترکوں اور ان کے بربر حلیفوں کے جہاز گشت کر رہے تھے۔ ورنہ یہ بات بعید از قیاس نہ تھی کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ فرڈیننڈ کا خیال تھا کہ اگر بربر یا ترکوں کی مداخلت کے باعث حامد بن زہرہ آزاد ہو چکا ہے تو اس کی پہلی کوشش یہی ہوگی کہ متارکہ جنگ کی مدت ختم ہونے سے پہلے غرناطہ پہنچ جائے۔

اب آخری اطلاع یہ ہے کہ کسی بیرونی حملہ آور کے تین جہاز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ساحل کے قریب پہنچ گئے اور قسطلہ کے دو جہاز غرق کرنے کے بعد اچانک روپوش ہو گئے۔

تباہ ہونے والے جہازوں کے جو ملاح بچ گئے تھے ان کی زبانی یہ خبر ملی ہے کہ ایک جہاز جس کی گولہ باری زیادہ تباہ کن ثابت ہوئی ساحل کے بہت قریب تھا۔

ہاشم نے سوال کیا: ”آپ کا مطلب ہے کہ یہ نامعلوم جہاز حامد بن زہرہ کو ساحل پر اتارنے کے لیے آئے تھے؟“

فرڈیننڈ کو یہی تشویش ہے کہ حملہ آور کسی اہم ضرورت کے بغیر اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔“

کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر ہاشم نے کہا

”مجھے اب بھی یقین نہیں آتا لیکن اگر حامد بن زہرہ کو واقعی ساحل پر اتارا جا چکا ہے تو اسے یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔

مہمان نے کہا "ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالات میں غرناطہ یا اپنے گاؤں کا رخ کرنے کی بجائے کسی جگہ چھپ کر مناسب وقت کا انتظار کرے۔ بہر حال یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ سے ایسے حالات پیدا کرنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیے کہ فرڈیننڈ کو جنگ بندی کا معاہدہ توڑنے کا موقع مل جائے"۔

ہاشم نے کہا "اگر وہ باہر سے کوئی امید افزا پیغام لے کر آیا ہے تو وہ یہاں آنے کے بجائے سیدھا غرناطہ کا رخ کرے گا اور اگر وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہنا چاہتا ہے تو ابو القاسم کو اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے"۔

"ابو القاسم اس لیے پریشان ہیں کہ ان پر ان چار سو آدمیوں کی جانیں بچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو یرغمال کے طور پر دشمن کے سپرد کیے جا چکے ہیں اور آپ کے دو فرزند ان میں شامل ہیں۔ ابو القاسم آپ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اگر آپ دوسروں کے متعلق نہیں تو کم از کم اپنے بیٹوں کے متعلق اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے"۔

"کیا ابو القاسم یہ بھی خیال کرتا ہے کہ میں حامد بن زہرہ کو اپنا گھر چھوڑنے کے لیے مجبور کروں گا؟"

"نہیں نہیں صرف اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر آپ اسے راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کی اور اس نے کوئی ہنگامہ برپا کر دیا تو نصرانی سب سے پہلے اس علاقے میں بربریت کا مظاہرہ کریں گے اور اہل غرناطہ کو آپ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ پھر فرڈیننڈ کی قید میں آپ کے بیٹوں کا جو حشر ہوگا وہ آپ بہتر سوچ سکتے ہیں"۔

کمرے میں پھر ایک بار خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہاشم نے کہا "لیکن میں کیا کر سکتا ہوں میں کس طرح سے راہ راست پر لا سکتا ہوں، اگر وہ قبائل کو بغاوت پر اکسانے میں کامیاب ہو گیا تو اس

علاقے کا کوئی آدمی کھلے بندوں اس کی مخالفت میں آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کرے گا"۔

"وزیر اعظم یہی کہتے تھے کہ اسے لوگوں کو بغاوت پر اکسانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ آپ اسے فوراً تلاش کریں اسے سمجھائیں اور پھر اگر آپ اس سے کوئی خطرہ محسوس کریں تو ایسی تجویز سوچی جا سکتی ہیں کہ چند ہفتے یا چند مہینے اس کا منہ بند رکھا جا سکے"۔

"آپ کا خیال ہے کہ اسے گرفتار کر لیا جائے؟"

"ہاں! اگر اس کو راہ راست پر لانے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو آپ کو اس قدم سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اسے کسی ایسی جگہ رکھا جا سکتا ہے جہاں سے اس کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ اگر وہ غرناطہ پہنچ جائے تو ہم مناسب قدم اٹھا سکیں گے اور ہمیں آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ لیکن اگر اس نے باہر رہ کر بغاوت پھیلانے کی کوشش کی تو یہ ناخوشگوار فریضہ آپ کو سرانجام دینا پڑے گا۔ ہمیں معلوم تھا کہ سعید اس کا بیٹا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا کمسن نواسہ بھی یہیں رہتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ حامد بن زہرہ کو کس قدر عزیز ہیں!"

"میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر حامد بن زہرہ بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو اپنے دس بیٹوں اور بیس نواسوں کی جان خطرے میں دیکھ کر بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی"۔

"یہی وجہ تھی کہ سعید کو غرناطہ میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ وزیر اعظم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتے جس کے باعث عوام مشتعل ہو جائیں"۔

"پھر وہ کیا چاہتے ہیں؟"

"وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان بااثر لوگوں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں ہر قیمت

پر حامد سے دور رہنے کی کوشش کریں۔ بعض سرداروں کو فرڈیننڈ کے انتقام سے خوفزدہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جنہیں انعامات کا لالچ دے کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ ابو القاسم اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ آپ ان سے جو وعدے کریں گے وہ پورے کیے جائیں گے۔ مزید تسلی کے لیے وہ انہیں ایسی تحریریں بھجوا دیں گے جن پر سلطان ابو عبداللہ و فرڈیننڈ کی مہریں ثبت ہوں گی"۔

کمرے کے اندر کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ عاتکہ پوری قوت سے چلا کر اپنے چچی کو یہ بتا دینا چاہتی تھی کہ ابو القاسم کا یہ ایلچی میرے باپ کا قاتل ہے اور اس کا اصلی نام عتبہ ہے لیکن اس کے حلق سے آواز نہ نکلی۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اس میں قدم اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔

ہاشم نے کہا: "اگر حامد بیرونی اعانت کے متعلق کوئی امید افزا خبر لے کر آ گیا اور لوگوں کو یہ پتا چل گیا کہ میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں تو میرے لیے اس علاقے میں سانس لینا مشکل ہو جائے گا"۔

"اگر آپ کو کوئی خطرہ پیش آیا تو آپ ابو القاسم کی دوستی پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ انہوں نے آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ آپ سوچے سمجھے بغیر اس کے خلاف میدان میں آ جائیں۔ جب تک ساری صورت حال کھل کر سامنے نہیں آ جاتی آپ کو محتاط روی سے کام لینا چاہیے۔ ابو القاسم کو یقین ہے کہ وہ ہر حالت میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپ کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرے گا اور اگر آپ اسے یہ مشورہ دے سکیں کہ باہر کے قبائل کو بغاوت پر آمادہ کرنے سے پہلے غرناطہ کے حریت پسندوں کو ساتھ ملانا ضروری ہے تو آپ کی ساری الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ حامد بن زہرہ صرف غرناطہ سے دور رہ کر ہی ہمارے لیے کسی پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ آپ صبح ہوتے ہی اس کی تلاش شروع کر دیں۔ یہ بات زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہیں رہے گی کہ چار سو باعزت انسان یرغمال کے طور پر فرڈیننڈ کے حوالے کیے جا

چکے ہیں اور جب آپ اس کے سامنے اس قسم کے خدشات کا اظہار کریں گے کہ اگر فرڈیننڈ جنگ بندی کی مدت سے پہلے ہی غرناطہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اہل غرناطہ مزاحمت نہیں کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے مشورے کے بغیر بھی وہاں پہنچ جائے گا اور وہاں وہ کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں کر سکتا"۔

ہاشم نے کہا "مجھے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنے کی ضرورت ہے ہو سکتا ہے کہ صبح تک میں آپ کو کوئی تسلی بخش جواب دے سکوں لیکن ایک بات میں اس وقت بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں کسی حالت میں بھی یہ برداشت نہیں کروں گا کہ غرناطہ میں اس کے ساتھ ایک دشمن کا سا سلوک کیا جائے۔ اگر وہاں اسے جان کا خطرہ پیش آیا تو ابو عبداللہ اور وزیر ابو القاسم کے ساتھی کی حیثیت سے زندہ رہنے پر حامد بن زہرہ کی رفاقت میں موت کو ترجیح دوں گا اور عبید اور امین کو بھی میرے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ پسند نہیں ہوگا"۔

مہمان نے کہا: "آپ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ اگر اسے غرناطہ میں کوئی خطرہ پیش آیا تو ابو القاسم ایک لمحہ کے لیے بھی وزیر رہنا پسند کرے گا اور میرا خیال ہے کہ غرناطہ میں اس کے بدترین مخالف بھی کوئی زیادتی برداشت نہیں کریں گے۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسے خاموش اور پرامن رکھا جائے اور مجھے یقین ہے کہ اس مسئلہ میں آپ کی رائے ابو القاسم کے خلاف نہیں ہے اب آپ آرام کریں۔ میں پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت شاید آپ سے ملاقات نہ ہو سکے"۔

"نہیں! آپ اٹھیں گے تو مجھ کو یہاں موجود پائیں گے اور ممکن ہے کہ قدرت کوئی نیک بات میرے ذہن میں آ جائے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو جاؤں۔ بہرحال آپ کو الوداع کہنے کے لیے ضرور آؤں گا"۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد عاتکہ انتہائی اضطراب کی حالت میں اپنے کمرے کے اندر ٹہل

رہی تھی۔

"میرے اللہ! میں کیا کروں۔ میں کمزور اور بے بس ہوں۔ اس گھر میں میری حیثیت ایک یتیم لڑکی سے زیادہ نہیں۔ اس بستی کا کوئی آدمی چچا کے خلاف میری باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔ اے جزا اور سزا کے مالک! مجھے ہمت عطا کر کہ میں چچا کو اس گناہ سے بچا سکوں!"

پھر وہ نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نمناک تھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ باہر کہیں دور بادل کی گرج سنائی دے رہی تھی۔ وہ دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلتی رہی۔ پھر اچانک اسے یہ محسوس ہوا کہ نیچے کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت لیٹی رہی پھر چونک اٹھی اور جلدی سے ایک دریچہ کھول کر صحن کی طرف جھانکنے لگی۔

ہاشم تیزی سے صحن عبور کر رہا تھا اور اس کے آگے آگے ایک پہرے دار مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔ آن کی آن میں وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

"وہ کہاں گئے؟ کیا چچا ہاشم نے اچانک اس مہمان سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ چچا کا ضمیر جاگ اٹھا ہو اور وہ ایک غدار کا گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو گئے ہوں یا انہوں نے صبح کی بجائے اسی وقت حامد بن زہرہ کو تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔" عاتکہ کے دل میں کئی سوال تھے لیکن وہ کوئی اطمینان بخش جواب نہ سوچ سکی۔

اچانک بجلی کی کڑک سے مکان کے در و دیوار لرز اٹھے۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ عاتکہ نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔ پھر وہ اپنے بستر کے قریب کھڑی سوچ رہی تھی۔

"اس گھن گرج میں وہ سفر نہیں کریں گے اور اگر صبح تک بارش ہوتی رہی تو شاید مہمان کو بھی رکنا پڑے۔ چچا کی موجودگی میں میرے لیے سعید کے گھر جانا آسان

نہیں ہوگا لیکن سعید کو خبردار کرنا ضروری ہے۔ اب اگر وہ زیادہ دیر مہمان کے ساتھ باتیں کرتے رہے تو انہیں صبح آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہو گی ورمیں دروازہ کھلتے ہی باہر نکل جاؤں گی۔

سعید نے کہا تھا کہ وہ صبح چچا کے پاس آئے گا۔ ممکن ہے کہ صبح تک بارش رک جائے اور وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد سیدھا ہمارے گھر کا رخ کرے۔ بہر حال کچھ بھی ہو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گی۔ میرے لیے اس غدار کے ساتھ چچی کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سننا ضروری تھا۔ ممکن ہے مجھے کوئی نئی بات معلوم ہو جاتی لیکن اب بارش اور ہوا کے شور میں ان کی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے گی''۔

عاتکہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئی اور ایک ساعت کروٹیں بدلنے کے بعد اُسے نیند آگئی۔

☆☆☆

عاتکہ کا اضطراب اور ہاشم کی بے چارگی

عاتکہ گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ کمرے میں ابھی تک اندھیرا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اچانک ایک دہشت ناک خیال سے اس کا سارا وجود لرز اٹھا۔ وہ بستر سے اٹھی اور جلدی سے اپنی چادر اوڑھ کر زینے کی طرف لپکی چند ثانیے کے بعد وہ صحن میں کھڑی تھی۔

بارش تھم چکی تھی اور فضا میں اس قدر دھند چھائی ہوئی تھی کہ چند قدم آگے دیکھنا مشکل تھا۔ وہ صحن عبور کرکے ڈیوڑھی کی طرف پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ اس نے بھاری کواڑ کھولنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اندر سے زنجیر لگی ہوئی ہے۔

پھر اچانک سے دروازے کے سامنے گیلی زمین پر گھوڑوں کے سموں کے تازہ نشان دکھائی دیے اور یہ دیکھ کر وہ جلدی سے مہمان خانے کی طرف دوڑی۔ درمیانی کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ ایک ثانیہ کے لیے رکی اور پھر اصطبل کی طرف بھاگنے لگی۔ وہاں صرف تین گھوڑے موجود تھے اور مہمان کے علاوہ چچا کا ایک گھوڑا بھی غائب تھا۔ اب سے اس بارے میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ وہ جا چکے تھے۔ وہ اسی طرح بھاگتی ہوئی واپس مڑی اور زور زور سے ڈیوڑھی کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد نوکروں کو آوازیں دینے لگی۔

ایک نوکر نے دروازہ کھولا اور حیرت زدہ ہو کر عاتکہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈیوڑھی کے اندر ایک کونے میں ایک اور نوکر لحاف میں دبکا ہوا لیٹا تھا۔

عاتکہ نے سوال کیا ”چچا جان کہاں گئے ہیں؟“

”انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ آدھی رات کے قریب سعید کے گھر سے واپس آئے تھے اور پچھلے پہر مہمان کے ساتھ روانہ ہو گئے“۔

”تمہیں یقین ہے کہ وہ سعید کے ہاں گئے تھے؟“

”جی ہاں! انہوں نے مہمان سے ملاقات کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا تھا کہ جعفر

ہو گیا۔ میں نے بہت کہا کہ وہ سو رہے ہیں لیکن اس نے اصرار کیا کہ میں اسی وقت ان سے ملنا چاہتا ہوں"۔

"تمہیں معلوم ہے جعفر کیوں آیا تھا"؟

"نہیں وہ صرف یہ کہتا تھا کہ میں ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ گھر میں کسی اور کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں"۔

مجھے ڈر تھا کہ وہ کمرے سے باہر نکلتے ہی مجھ پر برس پڑیں گے اور اس کے بعد جعفر کی شامت آ جائے گی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ گرجتے ہوئے باہر نکلے لیکن جب میں نے جعفر کا نام لیا تو ان کا سارا غصہ جاتا رہا"۔

خدا کی قسم یہ ان کے لیے ایک مصیبت کی رات تھی۔ وہ گھر سے باہر نکلے تو بارش شروع ہو گئی۔ آدھی رات تک ہم ان کا انتظار کرتے رہے۔ پھر وہ واپس آ گئے تو ہمیں اطمینان نصیب ہوا۔ لیکن پچھلے پہر انہوں نے پھر ہمیں جگا دیا اور گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کا حکم دیا"۔

"وہ مہمان بھی سعید کے گھر ان کے ساتھ گیا تھا؟"

"نہیں وہ مزے سے سو رہا تھا"۔

"چلو باہر کا دروازہ کھول دو"۔

"اتنی جلدی ابھی تو صبح بھی نہیں ہوئی"۔

"بیوقوف مت بنو۔ صبح ہو چکی ہے جلدی کرو"۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں تم وقت ضائع نہ کرو جلدی کرو"۔

نوکر نے جھجکتے ہوئے باہر کا دروازہ کھول دیا۔

عاتکہ بھاگتی ہوئی گھر سے باہر نکلی اور آن کی آن میں نوکر کی نگاہوں سے اوجھل

ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک کھنڈ میں اتر رہی تھی۔ نشیب کے تنگ رستے پر پھسلن کے باعث اس کی رفتار سست تھی۔ کھنڈ کے درمیان ابھی تک تھوڑا تھوڑا پانی بہہ رہا تھا وہ ابھرتے ہوئے پتھروں پر پاؤں رکھتی ہوئی آگے بڑھی لیکن ایک پتھر پر اس کا پاؤں ڈگمگایا اور وہ پانی میں گر پڑی۔ کمر تک اس کا لباس تر ہو چکا تھا مگر وہ جلدی سے اٹھی اور پانی اور کیچڑ کی پروا کیے بغیر بھاگنے لگی۔

چند منٹ بعد وہ کھنڈ کے دوسرے کنارے سعید کے مکان کے سامنے کھڑی تھی۔ باہر کا پھاٹک بند تھا۔ وہ زور زور سے کواڑ پر ہاتھ مارنے اور دھکے دینے کے بعد پوری قوت سے سعید کو آوازیں دینے لگی لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

مکان کی دیوار کی طرح پھاٹک بھی زیادہ اونچا نہ تھا۔ عاتکہ چند ثانیے اضطراب کی حالت میں ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اچھل کر پھاٹک کے ساتھ لٹک گئی اور دوسری طرف کود گئی۔

کشادہ صحن کا نصف حصہ عبور کرنے کے بعد اس کی نگاہوں کے سامنے دھند کے پردوں میں دومنزلہ مکان کے نقش و نگار ابھرنے لگے۔ پھر سے کونے کے ایک کمرے کے روزن سے دھندلی سی روشنی دکھائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا دروازہ کھل گیا۔

عاتکہ سعید سعید پکارتی ہوئی تند ہوا کے ایک جھونکے کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی جو بستر کے قریب قبلہ رو بیٹھا دعا مانگ رہا تھا۔ عاتکہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔ اس نے جلدی سے دعا ختم کی اور مڑ کر عاتکہ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن یہ سعید نہ تھا۔

عاتکہ بدحواس ہو کر چلائی "سعید کہاں ہے؟"

اجنبی نے سر سے لے کر پاؤں تک اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہو گیا۔ وہ سعید سے نصف بالشت اونچا تھا اور اون کی بھاری چادر سے باہر اس کا چہرہ ہی عاتکہ

کو حسن دا نے کے لیے کافی تھا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے اس نے طمینان سے جواب دیا

"سعید یہاں نہیں ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عاتکہ نے مضطرب ہو کر سوال کیا۔

"وہ کسی مہم پر جا چکا ہے جس کا ذکر کرنے سے پہلے میرے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کون ہیں؟"

عاتکہ نے تلملا کر کہا "وہ میرے چچا کے ساتھ گیا ہے"۔

"مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے چچا کون ہیں۔ میں اس گاؤں میں یک جنبی ہوں"۔

"میرے چچا کو رات کے وقت یہاں بلایا گیا تھا۔ خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کریں جعفر کہاں ہے؟"

جنبی نے پوچھا "آپ کا نام عاتکہ ہے؟"

عاتکہ ایک ثانیہ کے لیے مبہوت ہو کر رہ گئی۔ پھر اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ہاں لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"مجھے آپ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہے۔ میں کچھ عرصہ حامد بن زہرہ کا ہمسفر رہ چکا ہوں وہ اپنے بیٹے اور نواسے کی طرح آپ کو بھی اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ میں اس قلعے کے متعلق بھی سن چکا ہوں جہاں آپ کے والدین دفن ہیں۔ میں اس گھر میں یک دوست کی حیثیت سے آیا ہوں اور اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو آپ سعید و جعفر کی طرح مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں"۔

"جعفر بھی ان کے ساتھ گیا ہے؟"

"ہاں!"

"آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ حامد بن زہرہ کے ہمسفر رہ چکے ہیں؟"

"ہاں!"

"آپ ان کی طرف سے کوئی پیغام لائے تھے؟"

وہ مذبذب سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور عاتکہ مڑ کر دیکھنے لگی۔ زبیدہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"بیٹی تم! اس وقت؟"

عاتکہ تلملا کر بولی "چچی! یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ سعید کے ابا اس وقت کہاں ہیں؟"

"بیٹی وہ رات کے وقت اچانک چلے گئے تھے اور میرا خیال ہے کہ اب غرناطہ پہنچ چکے ہوں گے۔ لیکن ابھی تمہیں یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کرنی چاہیے"۔

عاتکہ کے چہرے پر زردی چھا گئی اور اس نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا:

"چچا ہاشم ان سے مل چکے ہیں؟"

"ہاں انہوں نے یہاں پہنچتے ہی ان کو بلا لیا تھا اور ملاقات کے تھوڑی دیر بعد چنانچہ یہاں سے روانہ ہو گئے"۔

عاتکہ مڑ کر جعفری سے مخاطب ہوئی "آپ ان کے ساتھ آئے تھے؟"

"ہاں میں انہیں یہاں تک پہنچانے آیا ہوں"۔

"انہوں نے آپ کو یہ بتایا تھا کہ وہ مالٹا میں قید تھے اور دشمن نے یہ جنگی جہاز انہیں لانے کے لیے بھیجا تھا"۔

جعفری نے حیرت زدہ ہو کر جواب دیا "ہاں! لیکن آپ کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں"۔

عاتکہ نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا "میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ قسطلہ کے جہاز سے کس طرح فرار ہوئے تھے اور وہ تین جہاز جو

ندلس کے ساحل پر قسطلہ کے دو جہاز غرق کرنے کے بعد حامد بن زہرہ کو ساحل پر چھوڑ گئے تھے کہاں سے آئے تھے؟"

جنبی نے جواب دیا "میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے سکتا ہوں لیکن آپ کو اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی کہ دشمن کے جہاز غرق ہو چکے ہیں؟"

عاتکہ نے جواب دیا "گزشتہ شام ابوالقاسم کا ایلچی میرے چچا کے پاس آیا تھا ان کی گفتگو سن کر میں نے یہ خطرہ محسوس کیا تھا کہ اگر حامد بن زہرہ غرناطہ چلے گئے تو انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ یہاں پہنچ چکے ہیں ورنہ میں اسی وقت انہیں خبردار کرنے کی کوشش کرتی"۔

جنبی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "آپ کو اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے ۔حامد بن زہرہ کو خطرات کا پورا پورا احساس ہے جو انہیں غرناطہ میں پیش آ سکتے ہیں۔ تاہم انہیں یہ اطمینان تھا کہ اگر وہ غداروں سے خبردار ہو جانے سے قبل شہر میں داخل ہو گئے تو عوام ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اس مسئلہ پر انہوں نے آپ کے چچا کو بھی اعتماد میں نہیں لیا تھا"۔

"لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ میرے چچا پچھلے پہر کہیں جا چکے ہیں اور ابوالقاسم کا ایلچی بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ غرناطہ کے سوا اور کہیں نہیں گئے اور ان کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ غرناطہ میں ان کے خلاف غداروں کی سازش کا حصہ بننا چاہتے ہیں"۔

"چچی!" اس نے مڑ کر زبیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں غرناطہ جا رہی ہوں آپ جلدی سے ایک نوکر کو جگا کر یہ کہیں کہ وہ وادی سے آگے سڑک پر پہنچ کر میرا انتظار کرے۔ میں تھوڑی دیر میں گھوڑا لے کر پہنچ جاؤں گی"!

عاتکہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"ٹھہریے!" جنبی نے کہا۔ وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ کے چچا ... !"

عاتکہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا "میں جانتی ہوں کہ اگر میں اپنے چچا کے خلاف کوئی بات کہوں تو لوگ مجھے پگلی سمجھیں گے لیکن اگر آپ حامد بن زہرہ سے میرے والد کی شہادت اور قلعے کی تباہی کے واقعات سن چکے ہیں تو شاید انہوں نے آپ کو اس "غدار" کے متعلق بھی بتایا ہوگا جس نے بارود سے قلعہ کی دیوار اڑانے کے بعد دشمن کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اس وقت آپ کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ وہ غدار رات کے وقت میرے چچا کا مہمان تھا۔ اس نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے، اور داڑھی اور بالوں کا رنگ بھی تبدیل کر لیا ہے لیکن وہ کان تبدیل نہیں کر سکا جو میرے تیر سے زخمی ہوا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی مگر وہ کوئی اور ہوتو بھی اپنے چچا سے اس کی گفتگو سننے کے بعد مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ وہ ایک غدار ہے اور غرناطہ کی آزادی کا سودا کرنے والوں نے اسے میرے چچا کے ضمیر کی قیمت چکانے کے لیے بھیجا تھا"۔

جنبی نے کہا "موجودہ حالات میں آپ کا غرناطہ جانا مناسب نہیں۔ میں آپ کا پیغام پہنچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اگر حامد بن زہرہ کو غرناطہ میں کسی جانثار ساتھی کی ضرورت ہو تو آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ میں نے عملاً آپ کے سوالات کا جواب دینے سے گریز کیا تھا۔ اب آپ کی تسلی کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ ہسپانیہ کے جس جہاز پر حامد بن زہرہ مالٹا سے سوار ہوئے تھے اس پر ترکوں کے ایک جہاز نے حملہ کیا تھا اور پھر اسی جہاز پر انہیں اندلس کے ساحل پر لایا گیا تھا"۔

عاتکہ بولی "اور آپ اسی جہاز پر ان کے ہمسفر تھے؟"

"ہاں!" اس نے آنکھیں نیچی کرتے ہوئے کہا "میں اس جہاز کا کپتان ہوں اور دوسرے دو جہاز ہماری امانت کے لیے آئے تھے"۔

عاتکہ پہلی بار توانائی، شرافت اور سادگی کے ایک پیکر مجسم کو دیکھ رہی تھی اور اسے

یہ محسوس ہوتا تھا کہ خوف و اضطراب اور مایوسی کے اندھیروں سے یکایک روشنی کا ایک مینار ابھر آیا ہے۔

اس نے کہا "لیکن آپ ترک نہیں ہو سکتے!"

زبیدہ نے کہا "بیٹی! منصور کے نانا کہتے تھے کہ یہ اندلس کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے دو بار میری جان بچائی ہے لیکن یہ غرناطہ نہیں جا سکتے۔ آقا نے میرے سامنے یہ کہا تھا کہ ان کے لیے غرناطہ جانا بہت خطرناک ہے۔ وہ بہت جلد واپس آ کر انہیں رخصت کریں گے۔ اگر وہ کسی وجہ سے رک گئے تو سعید کو بھیج دیں گے اور سعید نے بھی مجھے یہ تاکید کی تھی کہ انہیں گاؤں سے کسی سے کبھی نہیں ملنا چاہیے"۔

جبشی نے کہا "مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ میں بلاوجہ غرناطہ جانے کا خطرہ مول لوں لیکن اب مجھے ضرور جانا چاہیے۔ آپ نوکر سے کہیں میرا گھوڑا تیار کر دے"!

عاتکہ نے بے چین سی ہو کر کہا "چچی! خدا کے لیے جلدی کرو"!

زبیدہ باہر نکل گئی۔

عاتکہ جبشی سے مخاطب ہوئی "آپ غرناطہ میں کسی کو جانتے ہیں"؟

"نہیں۔ میں بچپن میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ وہاں گیا تھا اور وہ چار دن کسی دوست کے ہاں ٹھہرے تھے لیکن اب مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ وہ کون تھا؟"

"پھر آپ ایک نوکر کو ساتھ لے جائیں!"

"نہیں اگر حکومت تمہاری چوکس ہے تو اس بستی کا کوئی آدمی بھی میرے ساتھ نہیں ہونا چاہیے"۔

"میرا خیال ہے کہ انہیں تلاش کرنے میں آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ آپ البیسین کے بڑے چوک میں پہنچ جائیں۔ وہاں مسجد کے ساتھ ہی ان کی درس گاہ ہے۔ ان کے مکان کا ایک دروازہ درس گاہ کے صحن کی طرف اور دوسرا عقب کی

یک تنگ گلی میں کھلتا ہے۔مکان ایک مدت سے بند پڑا ہے۔ممکن ہے کہ وہ وہاں ٹھہرنے کی بجائے کسی دوست کے ہاں چلے گئے ہوں۔بہرحال آپ کو درس گاہ سے ان کا پتا مل جائے گا۔اب جلدی تیار ہو جائیں میں باہر انتظار کرتی ہوں"۔

یہ کہہ کر عاتکہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

چند منٹ بعد جنبی کمرے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔اس کے سر پر سفید عمامہ تھا اور باقی بدن ایک بھاری اور ڈھیلی عبا کے اندر چھپا ہوا تھا اور عبا کے اوپر اس کی تلوار کی نیام کمر پر کسی ہوئی چمڑے کی پیٹی کے ساتھ آویزاں تھی۔

صحن میں عاتکہ اور زبیدہ کے علاوہ دو نوکر جن میں سے ایک نے اس کے گھوڑے کی باگ تھام رکھی تھی۔کھڑے تھے وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور نوکر کے ہاتھ سے باگ پکڑتے ہی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔آن کی آن میں وہ پھاٹک سے باہر جا چکا تھا۔

اچانک منصور ایک کمرے سے نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا"وہ چلے گئے؟"

زبیدہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا"بیٹا ایک ضروری کام سے گئے ہیں"۔

"لیکن ماموں جان کہتے تھے کہ وہ ان کی واپسی تک نہیں جائیں گے۔آپ نے مجھے کیوں نہیں جگایا اب وہ نہیں آئیں گے"۔

"وہ ضرور واپس آئیں گے بیٹا!اگر میری بات پر یقین نہیں آتا تو کمرے میں جا کر ان کا سامان دیکھ لو۔وہ کئی چیزیں چھوڑ گئے ہیں"۔

منصور قدرے پر امید ہو کر سلمان کے کمرے کی طرف بھاگا اور عاتکہ زبیدہ سے مخاطب ہوئی

"آپ کو اس کا نام معلوم ہے؟"

"اس کا نام سلمان ہے"۔

چچا ہاشم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ترکوں کی بحری فوج سے تعلق رکھتا ہے؟"

"نہیں! آقا نے تمہارے چچا کو صرف یہ بتایا تھا کہ یہ نوجوان الجارہ کے ایک عرب قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے اور سے اسے راستے میں میری حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی"۔

"آپ نے ان کی ساری گفتگو سنی تھی؟"

ہاں! جب وہ باتیں کر رہے تھے تو میں ساتھ والے کمرے میں موجود تھی۔ تمہارے چچا کی باتیں سننے کے بعد میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ غداروں کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں' سعید کے والد اس بات سے بہت خفا تھے کہ انہوں نے اپنے دو بیٹے یرغمال میں بھیج دیے ہیں وہ انہیں بے غیرتی اور بزدلی کا طعنہ دے رہے تھے لیکن تمہارے چچا بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ یہ ایک مجبوری تھی۔ ہم تیاری کے لیے مہلت چاہتے تھے۔ اب اگر آپ بیرونی امانت کی کوئی امید لے کر آئے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں اور دشمن کے خلاف تلوار اٹھاتے ہوئے مجھے اس بات کی پروا نہیں ہو گی کہ وہ میرے بیٹوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ تم یہ کہہ رہی ہو کہ غرناطہ میں کوئی خطرناک سازش ہو رہی ہے۔ لیکن اگر تمہارے چچا ان کے دشمن ہوتے تو وہ بار بار یہ کیوں کہتے کہ موجودہ حالات میں آپ غرناطہ کے لیے قطعاً غیر محفوظ ہے"۔

"چچا ہاشم نے یہ کہا تھا؟"

"ہاں!"

"اور انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟"

"انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں اس مسئلہ پر سوچوں گا۔ ابھی مجھے آرام کی ضرورت ہے"۔

عاتکہ نے کہا "چچی! اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ چچا ہاشم نہیں

ریدنا چاہتے تھے کیونکہ سعید کے والد نے انھیں اعتماد میں لینے سے گریز کیا تھا ورت کی چابک روئیگی کی وجہ یہی تھی کہ وہ چچا ہاشم کو اس بات کا موقع نہیں دینا چاہتے کہ وہ ابو لقاسم ور دوسرے غداروں کو خبردار کر دیں تا کہ نہیں غرناطہ پہنچتے ہی گرفتار کر لیا جائے۔

ب بھی مجھے یقین ہے کہ وہ سیدھے غرناطہ گئے ہوں گے۔"

زبیدہ نے کچھ سوچ کر سوال کیا "تمہیں معلوم ہے وہ کس وقت روانہ ہوئے تھے؟"

"نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ رات کے پچھلے پہر روانہ ہو گئے تھے"۔

"سعید کے والد آدھی رات کے قریب تمہارے چچا کو رخصت کرتے ہی چلے گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہارے چچا سے بہت پہلے غرناطہ پہنچ جائیں گے"۔

منصور مسکراتا ہوا واپس آیا اور اس نے کہا "وہ اپنی کمان ترکش اور کپڑوں کا ایک جوڑ چھوڑ گئے ہیں لیکن اپنی تلوار اور طمنچہ ساتھ لے گئے ہیں"۔

عاتکہ نے پوچھا "تم نے ان کے پاس طمنچہ دیکھا تھا؟"

"ہاں! انہوں نے میرے سامنے تپائی پر رکھ دیا تھا۔ میں نے چمڑے کی پیٹی کے ساتھ بارود کی ایک تھیلی بھی دیکھی تھی۔ خالہ عاتکہ! کہیں وہ باقی چیزوں کو بیکار سمجھ کر تو نہیں چھوڑ گئے؟ آپ کو یقین ہے کہ وہ ضرور واپس آئیں گے؟"

"انشاء اللہ وہ ضرور آئیں گے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"میں پریشان نہیں ہوں۔ مجھے اس بات پر غصہ آرہا ہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر کیوں چلے گئے اور چچی زبیدہ نے مجھے جگانے کی کوشش کیوں نہ کی۔ جب نانا جان جا رہے تھے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اب ان کے میزبان تم ہو"۔

"تم اس وقت جاگ رہے تھے؟" عاتکہ نے پوچھا۔

"ہاں اور منا جان کو رخصت کرنے کے بعد بھی میں نے کافی دیر ان سے باتیں کی تھیں"۔

وہ تمہاری بے معنی باتوں سے بیزار تو نہیں ہوا تھا؟"

"کس سے؟"

"تمہاری گفتگو سے!"

"وہ کیوں؟" منصور نے بگڑ کر پوچھا۔

"تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ لوگ آدھی رات کے وقت باتیں کرنے کی بجائے سونا زیادہ پسند کرتے ہیں۔" عاتکہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

منصور نے بگڑ کر کہا "چچی زبیدہ! ذرا ان کا لباس تو دیکھیے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری رات مچھلیاں پکڑتی رہی ہیں"۔

عاتکہ ہنس پڑی۔

زبیدہ نے کہا۔ "بیٹی! تمہیں سردی نہ لگ جائے اندر چلو میں بھی آگ جلاتی ہوں"۔

"نہیں میں اب گھر جاؤں گی۔ کیوں منصور؟ تم میرے ساتھ چلو گے نا؟"

منصور نے جواب دینے کی بجائے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

☆☆☆

غرناطہ کے آٹھ سرکردہ آدمی وزیر سلطنت ابوالقاسم کے عالیشان محل کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے تھے۔ ہاشم نے ایک نوکر کے ساتھ کمرے کے دروازے پر رکا اور قدرے توقف کے بعد "السلام علیکم!" کہہ کر جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا وہ "وعلیکم السلام" کہہ کر تعظیم کے لیے اٹھے لیکن ہاشم کسی سے مصافحہ کرنے کے بجائے دروازے کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

کمرے میں تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر غرناطہ کے ایک معمر تاجر نے سوال کیا "کیا بات ہے آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں؟"

ہاشم نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا "اب پریشانی کا لفظ ہمارے احساسات کی ترجمانی کے لیے کافی نہیں ابوالقاسم کب آئیں گے؟"

"اگر الحمرا میں کوئی اہم مسئلہ پیش نہ آگیا تو وہ آتے ہی رہے ہوں گے۔ ہم کافی دیر سے ان کا انتظار کر رہے ہیں"۔

ایک ساعت بعد چار آدمی ملاقاتیوں میں شریک ہو چکے تھے اور ہاشم انتہائی حیرانی کی حالت میں ابوعبداللہ کی دوراندیشی اور ابوالقاسم کے تدبر اور فرڈیننڈ کی فیاضی کے متعلق ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے کسی درس گاہ کا معلم ہوتا تھا کہہ رہا تھا "ہمیں اندیشہ تھا کہ بعض کوتاہ اندیش صلح کی شرائط کے خلاف عوام کو بھڑکانے کی کوشش کریں گے لیکن خدا کا شکر ہے اہل غرناطہ نے شرپسندوں سے منہ پھیر لیا ہے۔ جو لوگ کل تک وزیراعظم کو بے حسی اور بزدلی کے طعنے دیتے تھے وہ اب انہیں قوم کا محسن سمجھتے ہیں۔ اب غرناطہ کی مائیں سلطان معظم کو بھی دعائیں دیتی ہیں کہ انہوں نے قوم کو مزید تباہی سے بچا لیا ہے"۔

حکومت کے ایک عہدہ دار نے کہا "ہمیں وزیراعظم کا شکرگزار رہنا چاہیے کہ انہوں نے شہر کے انتہائی بااثر خاندانوں کے آدمی فرڈیننڈ کے حوالے کر کے آئندہ کے لیے جنگ کے امکانات ختم کر دیے ہیں۔ اب اگر کسی شرپسند نے عوام کو مشتعل کرنے کی کوشش کی تو اسے منہ کی کھانی پڑے گی"۔

دوسرے عہدیدار نے کہا "چند دن قبل یہ کون کہہ سکتا تھا کہ دشمن کا فوجی مستقر ہمارے لیے ایک منڈی بن جائے گا اور غرناطہ کے بازاروں میں غلے ایندھن پھلوں اور سبزیوں کے انبار لگ جائیں گے۔ پرسوں طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک سینٹا فے کے ساتھ چھکڑے غرناطہ پہنچے تھے۔ کل ان کی تعداد سو

سے زیادہ تھی۔ خچروں اور گدھوں پر بھی کافی سامان پہنچ رہا ہے۔ غرناطہ کے بازار میں ضروریات زندگی کی قیمتیں تیزی سے گر رہی ہیں۔

اس کے علاوہ جنوب کے راستوں کی ناکہ بندی کر کے فرڈینینڈ نے ہمارے لیے مزید پریشانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ابوالقاسم کا یہ کارنامہ ایک سیاسی معجزے سے کم نہیں کہ انہوں نے قوم کو موت کے چنگل سے نکال کر امن اور خوشحالی کے راستے پر ڈال دیا ہے"۔

چانک ہاشم کی قوت برداشت جواب دے گئی اور اس نے کہا "خدا کے لیے اپنے آپ کو فریب نہ دیجیے"۔

حاضرین کی نگاہیں ہاشم پر مرکوز ہو گئیں اور کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر ایک آدمی نے پوچھا "آپ کا مطلب؟"

ہاشم نے جواب دیا "میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے چار سو آدمی چند ہفتوں کے لیے دشمن کی میزبانی کا لطف اٹھائیں گے اور پھر اس کے عوض پوری قوم کے گلے میں غلامی کا طوق ڈال دیا جائے گا۔ تم چند دن فرڈینینڈ کی فیاضی اور اپنے کابر کی دور اندیشی کے گیت گاؤ گے اور اس کے بعد تمہاری آئندہ نسلیں صدیوں تک تمہاری قبروں پر لعنتیں بھیجتی رہیں گی۔ تم اس بات سے خوش ہو کہ سیفا نے سے تجارت کا راستہ کھل گیا ہے اور تمہارے لیے امن اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اس راستے پر تم پر کتنی بلائیں نازل ہونے والی ہیں اور تمہاری آئندہ نسلوں کو تمہاری چند دن کی خوشحالی کی کتنی قیمت ادا کرنی پڑے گی!"

حاضرین چند ثانیے کے لیے دم بخود ہو کر ہاشم کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر غرناطہ کے ایک بہت بڑے تاجر نے کہا "ہاشم تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا تم جنگ بندی سے خوش نہیں ہو؟"

اس نے جواب دیا "ایک شکست خوردہ اور مایوس انسان اپنے مصائب سے

نجات حاصل کرنے کے لیے موت کی تمنا تو کر سکتا ہے لیکن پوری قوم کی غلامی اور ہلاکت سے خوش نہیں ہو سکتا"۔

ایک فوجی افسر نے کہا "لیکن تمہارے خیالات پہلے یہ نہیں تھے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے تمہیں اپنے دو بیٹوں کو فرڈیننڈ کے حوالے کرنے پر بھی اعتراض نہیں تھا۔ اب تمہیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جو غرناطہ کے امن کے منافی ہو"۔

ہاشم نے جواب دیا "کیا اب مجھے اپنی غلطی پر پشیمان ہونے کا حق بھی نہیں رہا؟"

ایک عمر رسیدہ آدمی نے جواب دیا "تم جی بھر کر پشیمان ہو سکتے ہو لیکن اس کے لیے سلطنت کے وزیر اعظم کی رہائش گاہ موزوں نہیں ہے"۔

ہاشم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا "جہاں تک مجھے معلوم ہے چند ہفتوں کے بعد غرناطہ پر فرڈیننڈ قابض ہو جائے گا اور پھر یہ جگہ ہمارے مدبر اور دور اندیش وزیر اعظم کی قیام گاہ نہیں ہوگی"۔

ایک اور آدمی بولا "آپ ہاشم سے بات نہ کریں۔ یہ اپنے بیٹوں کے متعلق پریشان ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کا اضطراب بہت جلد دور ہو جائے گا۔ ہم ابوالقاسم سے درخواست کریں گے کہ وہ آپ کے لیے اپنے بیٹوں سے ملاقات کا بندوبست کرا دیں"۔

ہاشم چلایا "خدا کے لیے بار بار میرے بیٹوں کا ذکر نہ کرو"۔

اس کے بعد کسی کو اس سے ہم کلام ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد ابوالقاسم کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ابوالقاسم نے کھڑے کھڑے ایک نوجوان سے سوال کیا "اب شہر کی فضا کیسی ہے؟"

"جناب ابھی تک کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی جس پر کسی تشویش کا اظہار کیا جا

سکے"۔

ابو لقاسم نے آگے بڑھ کر حاضرین مجلس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا ور س نے کہا "آپ حضرت کو اپنے عزیزوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بار بار میرے پاس آنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ فرڈیننڈ کے بڑ وزی آپ کی نسبت زیادہ آرام سے ہیں۔ اگر ہم فرڈیننڈ کو یہ اطمینان دلا سکے کہ ہم خلوص دل سے متارکہ جنگ کی شرائط پوری کرنا چاہتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ دیر تک نہیں یرغمال بنا کر رکھنا پسند نہیں کرے گا۔ سیغا سفے سے تجارت کا رستہ کھل جانا یک بہت بڑی کامیابی ہے اور مجھے توقع ہے کہ چند دن تک آپ کو قیدیوں سے ملاقات کی جازت بھی مل جائے گی۔ اب آپ کو بے کار وقت ضائع کرنے کی بجائے عوام کے پاس جانا چاہیے اور انھیں تسلی دینی چاہیے کہ حکومت جو کچھ کر رہی ہے ان کی بہتری کے لیے ہے"۔

ہاشم دیر تک سر جھکائے ان کی باتیں سنتا رہا۔ اچانک ابو لقاسم اس کی طرف دیکھ کر چونک گیا: "ہاشم! معاف کیجیے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں ہیں۔ آپ کب آئے؟"

"میں بھی آیا ہوں"۔ اس نے بد دلی سے جواب دیا۔

یک وزی بولا "جناب یہ آپ کی کامیابیوں سے مطمئن نہیں ہیں۔ ن کا خیال ہے کہ غرناطہ کا رستہ کھول کر آپ ایک بہت بڑا خطرہ مول لے چکے ہیں"۔

"آپکو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ان کی رائے کا بہت احترام کرتا ہوں۔ ب گر آپ حضرت مجھے جازت دیں تو میں ان سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

ابو لقاسم کھڑا ہو گیا اور وہ باری باری اس سے مصافحہ کرنے کے بعد کمرے سے نکل گئے۔

ابو لقاسم دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے ہاشم سے پوچھا

— ''آپ کو میرا پیغام مل گیا تھا؟''

— ''ہاں!''

''تو پھر آپ کو غرناطہ آنے کی بجائے اپنے گھر میں رہنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حامد بن زہرہ کی واپسی کے متعلق میرے خدشات بے بنیاد ہوں لیکن اندلس کے ساحل پر فرڈیننڈ کے دو جہازوں کی تباہی معمولی واقعہ نہیں۔ اس سے قبل فرڈیننڈ کی طرف سے ہمیں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ حامد بن زہرہ کو مالقہ کے قید خانے سے نکال کر جس جہاز پر واپس لایا جا رہا تھا وہ سمندر میں لاپتہ ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ بعید از قیاس ہے کہ راستے میں ترک جہاز رانوں نے حملہ کر دیا ہو اور حامد بن زہرہ کو چھڑانے کے بعد اندلس کے ساحل پر اتارنے کی کوشش کی ہو۔

میرا خیال تھا کہ حامد بن زہرہ غرناطہ پہنچنے سے پہلے آپ کے ساتھ رابطہ قائم کرے گا اور آپ کی حوصلہ افزائی کے بغیر کوئی بڑا قدم نہیں اٹھائے گا۔ اگر حامد بن زہرہ واپس آ گیا تو اسے قبائل کو مشتعل رکھنے میں دیر نہیں لگے گی اس لیے آپ فوراً واپس چلے جائیں اور قبائل کو پرامن رکھنے کی کوشش کریں۔ فرڈیننڈ آپ کی یہ خدمت فراموش نہیں کرے گا۔ میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آپ اپنے لڑکوں کے متعلق بہت پریشان ہیں۔ لیکن آپکو مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ حامد بن زہرہ کا خطرہ دور ہوتے ہی میں انہیں رہا کروانے کی کوشش کروں گا''۔

ہاشم نے ملتجی ہو کر کہا ''جناب مجھ پر احسان کیجیے اور انہیں آج ہی واپس بھیج دیجیے''۔

''لیکن میں ابھی تک آپ کے پریشان ہونے کی وجہ نہیں سمجھ سکا!''

''جناب میں اندلس سے ہجرت کا فیصلہ کر چکا ہوں''۔

''اس کی وجہ؟''

مجھے ڈر ہے کہ غرناطہ میں دشمن کا داخلہ میرے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔ آپ

میرے متعلق یہ اطمینان چاہتے تھے کہ میں پر امن رہوں اور جب میں اپنی بستی سے ہجرت کر جاؤں گا تو میرے متعلق آپ کے سارے خدشات دور ہو جائیں گے"۔

ابوالقاسم نے جواب دیا "مجھے ذاتی طور پر کوئی بے اطمینانی نہیں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ وہ چار سو آدمی فرڈیننڈ کے اطمینان کے لیے اس کے حوالے کیے گئے ہیں۔ اگر میں کسی کو واپس بلانے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دوں تو فرڈیننڈ کیا خیال کرے گا۔ اور غرناطہ میں دوسرے لوگوں کے عزیز و اقارب کا کیا ردعمل ہو گا؟"

ہاشم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "خدا کے لیے میری مدد کیجیے! اپنے بیٹوں کی جگہ میں بذات خود فرڈیننڈ کے پڑاؤ میں جانے کے لیے تیار ہوں"۔

ابوالقاسم نے بے اعتنائی سے جواب دیا "اس سے پہلے تم قطعاً پریشان نہ تھے۔ اب اگر تمہیں اچانک کوئی بے اطمینانی محسوس ہوئی ہے تو اس کے لیے کوئی معقول وجہ ہونی چاہیئے"۔

"اس سے پہلے میں یہی سوچتا تھا کہ میں ہجرت نہیں کروں گا لیکن اب مجھے اندلس میں ایک دن گزارنا بھی صبر آزما محسوس ہوتا ہے۔ میں مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں کے متعلق اطمینان چاہتا ہوں کہ وہ کسی آزاد ملک میں آباد ہو گئے ہیں"۔

ابوالقاسم نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور اچانک اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا "تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ تمہاری آنکھیں کسی فوری خطرے کے احساس کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ تم کسی ایسی محفل سے اٹھ کر میرے پاس آئے ہو جہاں امن کے معاہدہ کے خلاف باتیں ہو رہی ہیں"۔

"میں سیدھا اپنے گھر سے آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں"

"مجھے معلوم ہے۔ لیکن تم سیدھی بات کیوں نہیں کرتے؟"

"سیدھی بات!"

"ہاشم تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہماری اطلاعات غلط تھیں۔حامد بن زہرہ وہاں پہنچ گیا ہے۔تم اس سے ملاقات کر چکے ہو۔اور اس ملاقات کے بعد تمہیں اپنی ذمہ داریوں سے فرار کا راستہ تلاش کرنے کی فکر ہے۔ہاشم تم مجھ کو بے وقوف نہیں بنا سکتے میں نے تمہاری صورت دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا کہ حامد بن زہرہ آ چکا ہے اور تم اس کی آمد کو کسی نئے طوفان کا پیش خیمہ سمجھتے ہو۔اب ذرا ہمت سے کام لو۔اگر وہ غرناطہ میں داخل ہو چکا ہے تو یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اسے نئے فتنے جگانے کا موقع نہ ملے۔ ہم ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اور اس کشتی کو ڈوبنے سے بچانا ہمارا پہلا فرض ہے۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

"جناب! وہ غرناطہ نہیں پہنچا اور اگر وہ یہاں پہنچ چکا ہوتا تو بھی میں آپ کو یہ نہ بتاتا کہ وہ کہاں ہے"۔

"تم گزشتہ رات اپنے گھر میں تھے۔اگر حامد بن زہرہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا تو وہ تمہارے گاؤں میں ہوگا۔میں تمہارا شکر گزار ہوں"۔

ہاشم چلایا "آپ اسے گاؤں سے گرفتار نہیں کر سکتے"۔

"اسے وہاں گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں۔میں صرف اسے شہر کے دروازوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں اور اگر تم اپنے بیٹوں کے دشمن نہیں ہو تو تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا"۔

ابو القاسم نے یہ کہہ کر تالی بجائی ایک پہرے دار کمرے میں داخل ہوا۔ ابو القاسم نے اسے حکم دیا:

"تم فوراً کوتوال کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ شہر کے تمام دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا جائے اور اگر حامد بن زہرہ شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے گرفتار کر کے فوراً ہمارے سامنے پیش کیا جائے"۔

پہرے دار چلا گیا تو وہ ہاشم کی طرف متوجہ ہوا "اگر اس نے غرناطہ پہنچنے سے

پہلے قبائلی لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ضروری سمجھا تو مجھے قدم قدم پر تمہاری اعانت کی ضرورت پیش آئے گی اور اگر تم اپنے بیٹوں کی بہی خواہ ہو تو تمہیں حکومت کے ساتھ پورا تعاون کرنا پڑے گا۔ میں تم سے یہ وعدہ کرسکتا ہوں کہ اس کا بال بیکا نہیں ہوگا میرا مقصد صرف غرناطہ کو تباہی سے بچانا ہے۔ اگر تم مجھے یہ بتا سکو کہ بلاد بربر اور ترکوں کے جہاز اندلس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے والے ہیں تو میں ان کا استقبال کرنے کے لیے سب سے آگے رہوں گا لیکن اگر وہ تمہاری امید ہے تو غرناطہ کے عوام کے لیے اس کے پاس موہوم امیدوں اور خوش کن باتوں کے سوا کچھ نہ ہوگا"۔

ہاشم نے جواب دیا "جناب میں یہ کوشش کروں گا کہ وہ غرناطہ آنے کا ارادہ تبدیل کردے لیکن اس کی گرفتاری کے لیے میں آپ سے کوئی تعاون نہیں کروں گا"۔

ابو القاسم نے قدرے نرم ہوکر کہا "میں تم سے یہ وعدہ کرسکتا ہوں کہ میرے ہاتھوں حامد بن زہرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر تم چاہو تو اسے گرفتاری سے بچا بھی سکتے ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ اسے لوگوں کو مشتعل کرنے کا موقع نہ دیا جائے"۔

ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا:

"جناب! غرناطہ کے کوتوال آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی اہم خبر لائے ہیں"۔

"اسے یہاں لے آؤ"۔

نوکر کمرے سے باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک قوی ہیکل آدمی جس کی عمر پچپن سال سے اوپر معلوم ہوتی تھی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا

"جناب! میں اس طرف آرہا تھا کہ راستے میں آپ کا ایلچی مل گیا۔ میں نے

آپ کے حکم کے مطابق پہریداروں کو ہدایات بھیج دی ہیں"۔

ابو القاسم نے برہم ہو کر کہا "اور تم اب میرے حکم کی وجہ دریافت کرنے آئے ہو؟"

"نہیں جناب میں تو یہ بات سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کا کوئی حکم خالی از مصلحت نہیں ہوتا لیکن میں نے ایک اہم خبر سنی ہے"۔

"کیسی خبر؟"

کوتوال جواب دینے کے بجائے تذبذب کی حالت میں ہاشم کی طرف دیکھنے لگا۔

ابو القاسم نے جھنجھلا کر کہا: "تم خاموش کیوں ہو گئے ہو۔ ہاشم غرناطہ کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے"۔

کوتوال نے کہا "جناب میں آپ کو یہ بتانے آ رہا تھا کہ حامد بن زہرہ شہر میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ البسین میں کسی کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کا اپنا مکان خالی ہے اور وہ اپنی درس گاہ میں بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف ایک افواہ ہو لیکن شہر کے لوگ البسین کی گلیوں اور چوراہوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے کئی لوگوں کو یہ باتیں کرتے سنا ہے کہ حامد بن زہرہ واپس آ گیا ہے اور وہ آج ہی البسین کی مسجد میں اہل شہر سے خطاب کرے گا۔ شہر میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں کہ وہ سرحدی ممالک کے حکمرانوں کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا پیغام لایا ہے"۔

ابو القاسم نے ہاشم کی طرف دیکھا تو اس نے کہا:

"یہ ناممکن ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ یہاں پہنچ چکا ہے"۔

ابو القاسم نے کہا "تم نے اسے غرناطہ آنے سے منع کیا تھا؟"

"ہاں!"

"اور تم نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تمہارے بیٹے غرناطہ کے چار سو آدمیوں کے

ساتھ یرغمال کے طور پر جا چکے ہیں"۔

"یہ بات تمہیں میری ملاقات سے پیشتر ہی معلوم ہو چکی تھی"۔

ابو القاسم نے قدرے سوچ کر کہا "ان حالات میں یہ بعید از قیاس ہے کہ سلطان نے تمہارے متعلق تھوڑی بہت بے اطمینانی محسوس کی اور تم سے غرناطہ آنے کا ارادہ ظاہر کرنا ممکن سمجھ ہو بہر حال اگر وہ یہاں پہنچ چکا ہے تو ہمیں صحیح صورت حال معلوم کرنے میں دیر نہیں لگے گی"۔

ابو القاسم یہ کہہ کر کوتوال کی طرف متوجہ ہوا "اب تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ موجودہ حالات میں تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ تم البسین میں ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کر سکتے ہو جو تمہیں ایک ایک لمحہ کی خبر دیتے رہیں لیکن تمہاری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جس سے عوام مشتعل ہو جائیں۔ اب مجھے دوبارہ سلطان کے پاس واپس جانا پڑے گا اور میری کوشش یہ ہوگی کہ غرناطہ کے تمام بااثر لوگ خصوصاً وہ جن کے بیٹے اور بھائی یرغمال کے طور پر بھیجے جا چکے ہیں الحمرا میں جمع ہو جائیں۔ سردست شہر کے دروازے بند رہنے چاہئیں۔

کوتوال نے جھجکتے ہوئے کہا "جناب مجھے اندیشہ ہے کہ اگر حامد بن زہرہ غرناطہ پہنچ چکا ہے تو چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو البسین میں بھی ایسے افراد کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں جو اسے ٹھکانے لگا دیں"۔

ہاشم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"غرناطہ میں حامد بن زہرہ پر ہاتھ ڈالنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اگر اسے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تو شہر کا کوئی گوشہ تمہارے لیے محفوظ نہیں رہے گا"۔

پھر اس نے ملتجی ہو کر ابو القاسم کی طرف دیکھا "جناب! مجھے اجازت دیجیے!"

"تم کہاں جانا چاہتے ہو"۔

"جناب! میں حامد بن زہرہ کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا ممکن ہے کہ میں

سے تباہی کے راستے سے روک سکوں"۔

"نہیں! اب تم باہر نہیں جا سکتے"۔

ہاشم چند ثانیے سکتے کی حالت میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا "آپ کا مطلب ہے کہ میں آپ کی قید میں ہوں"۔

"نہیں! میرا مطلب یہ ہے کہ اب تمہاری حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اگر حامد بن زہرہ کے کسی حامی نے تمہیں میرے گھر سے نکلتے دیکھ لیا تو تم زندہ واپس نہیں آ سکو گے۔ اس لیے جب تک میں کوئی اور فیصلہ نہیں کرتا تم یہیں رہو گے"۔

ہاشم نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ابوالقاسم اور کوتوال کمرے سے باہر نکل گئے اور وہ نڈھال ہو کر کرسی پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا تو وہاں دو مسلح پہرے دار کھڑے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کوستا ہوا واپس مڑا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

سلمان کا سفر

غرناطہ سے کوئی دو کوس دور سلمان ایک بستی میں داخل ہوا جس کے در و دیوار پر گزشتہ جنگ کے آثار نمایاں تھے۔ کشادہ سڑک کے دونوں کناروں پر بیشتر گھر غیر آباد نظر آتے تھے اور مکانات کی چھتیں پیوند زمین ہو چکی تھیں۔ صرف چند گھر ایسے تھے جہاں زندگی کے آثار دکھائی دیتے تھے

دائیں ہاتھ مسجد کی چھت ٹوٹی ہوئی تھی اور پاس ہی دو آدمی ایک گاڑی پر خشک گھاس لادنے میں مصروف تھے۔

گاڑی میں دو خچر جتے ہوئے تھے اور گاڑی بان جس کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اوپر بیٹھا ہوا تھا۔

دائیں ہاتھ ایک کشادہ حویلی کی دیوار تھی جس میں جگہ جگہ شگاف پڑے ہوئے تھے۔ سلمان اس حویلی کے دروازے کے قریب پہنچا تو اچانک ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا باہر نکلا اور گھوڑے کے سامنے آ گیا۔ گھوڑے کی رفتار زیادہ نہ تھی۔ سلمان نے بروقت باگیں کھینچ کر اسے دائیں کنارے کی طرف ہٹا لیا لیکن بوڑھا آدمی جسے اس نے گھوڑے کی زد سے بچانے کی کوشش کی تھی آگے جانے کی بجائے اچانک پیچھے مڑا اور گھوڑے سے ٹکرا کر ایک طرف گر پڑا۔ سلمان نے گھوڑے سے کود کر اسے سہارا دیتے ہوئے کہا:

"معاف کیجیے! آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ میں اپنی بے احتیاطی پر سخت نادم ہوں"۔

ایک نوجوان بھاگتا ہوا باہر نکلا اور غضب ناک ہو کر کہا "آپ کو کسی کھلے میدان میں سواری کی مشق کرنی چاہیے اور اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھنی چاہئیں"۔

گاڑی بان نیچے سے کود کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا "مسعود! تمیز سے بات کرو! میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی غلطی نہیں تھی"۔

بوڑھے آدمی نے جلدی سے اٹھ کر کہا ”مسعود تم احمق ہو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ غلطی میری تھی“۔

حویلی سے ایک لڑکی نمودار ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے آدمی سے پوچھا ”کیا ہوا بابا؟“

”کچھ نہیں بیٹی“

لڑکی کی عمر دس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اس کا دبلا پتلا چہرہ گزشتہ جنگ کے آلام و مصائب کا آئینہ دار تھا۔ اس نے سلمان کی طرف دیکھا اور جھجکتے ہوئے سوال کیا:

”آپ غرناطہ سے آئے ہیں؟“

”نہیں میں وہاں جا رہا ہوں“۔

سلمان یہ کہہ کر مسعود کی طرف متوجہ ہوا ”بھائی! یہ اچانک گھوڑے کی زد میں آ گئے تھے اور مجھے افسوس ہے کہ میں انہیں کوشش کے باوجود گرنے سے نہ بچا سکا“۔

مسعود نے جواب دیا ”جناب! میں اپنی غلطی پر سخت نادم ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں“۔

سلمان کا گھوڑا پسینے میں شرابور تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔ گاڑی بان نے اس کی باگ پکڑلی اور بولا:

جناب ”آپ کا گھوڑا بہت پیاسا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اسے پانی پلا لاتا ہوں“۔

”بہت اچھا لیکن ذرا جلدی لوٹیں مجھے دیر ہو رہی ہے“۔

”جناب میں ابھی آتا ہوں“۔

وہ گھوڑا لے کر مسجد کے قریب کنوئیں کی طرف چل دیا۔

لڑکی نے کہا ”شاید آپ بہت دور سے آئے ہیں؟“

"ہاں!"

"شاید آپ نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا! ہمارے گھر میں کھانا تیار ہے آیئے!"

"نہیں شکریہ! مجھے بہت جلدی ہے!"

عمر رسیدہ آدمی نے کہا "چلو بیٹا! اس گاؤں کے سردار کی بیٹی تم کو دعوت دے رہی ہے۔ جنگ کے بعد تم اس اجڑے ہوئے گھر میں پہلے مہمان ہو گے۔ سماء کی حوصلہ شکنی نہ کرو!"

سلمان نے پیار سے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اگر مجھے جلدی نہ ہوتی تو میں تمہاری دعوت رد نہ کرتا۔ اپنے ابا جان سے میرا سلام کہو اور ان سے یہ کہو کہ اگر مجھے واپسی کا موقع ملا تو یہاں سے کھانا کھا کر جاؤں گا"۔

مسعود نے کہا "جناب! ان کے ابا جان شہید ہو چکے ہیں"۔

سلمان نے سماء کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

بوڑھے نے کہا "جنگ کے ایام میں یہ گاؤں ویران ہو گیا تھا۔ ہمارے آقا نے اپنی بیوی اور بچی کو قمارش بھیج دیا تھا۔ اب ہم پچھلے ہفتے یہاں آئے ہیں۔ چند لوگ ہم سے پہلے یہاں پہنچ چکے تھے اور اگر جنگ دوبارہ شروع ہو گئی تو امید ہے باقی گھر بھی جلد آباد ہو جائیں گے"۔

سماء نے آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "بابا! جنگ ضرور شروع ہو گی۔ امی جان کہتی ہیں کہ اس مرتبہ ہم قمارش جانے کی بجائے غرناطہ ہی میں رہیں گے"۔

گاڑی بان جو گھوڑے کو پانی پلانے کے بعد واپس آ رہا تھا قریب پہنچ کر بولا۔

"جناب! آپ کا گھوڑا بہت پیاسا تھا۔ آپ کو ایسے خوبصورت جانور کا بہت خیال رکھنا چاہیے"۔

سلمان نے اس کے ہاتھ سے باگ پکڑ کر اسماء کی طرف متوجہ ہو کر "سماء میں وعدہ

رتا ہوں کہ اگر موقع ملا تو واپسی پر تم سے مل کر جاؤں گا"۔

"آپ کب آئیں گے؟"

"غرناطہ میں مجھے زیادہ کام نہیں۔ ممکن ہے کہ آج ہی واپس آ جاؤں"۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"بہت دور سے آیا ہوں"۔ سلمان گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

سلمٰی نے کہا "تھوڑی دیر ٹھہریے میں ابھی آتی ہوں"۔ اور وہ بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ سلمان پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

بوڑھے آدمی نے کہا "اس بچی کی خاطر آپ کو یہاں ضرور آنا چاہیے۔ اب تو یہ کچھ سنبھل گئی ہے ورنہ مدراش میں جب آقا کی شہادت کی خبر پہنچی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ اگر دور سے کوئی مسلح سوار دکھائی دیتا تھا تو یہ اسے اپنے باپ کا دوست و رساتھی سمجھ لیا کرتی تھی"۔

گاڑی بان نے کہا "غرناطہ میں آپ اپنے کسی عزیز کے پاس ٹھہریں گے یا سرائے میں قیام کریں گے؟"

مجھے معلوم نہیں یہ وہاں کے حالات پر منحصر ہے۔ ممکن ہے مجھے ٹھہرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

"جناب! میں اس لیے پوچھ رہا تھا کہ غرناطہ میں گھوڑوں کے لیے چارہ بہت مشکل سے ملتا ہے اور آپ کا گھوڑا ایسا نہیں کہ اسے بھوکا رکھا جائے۔ اگر آپ ہماری سرائے میں ٹھہرنا پسند کریں تو وہاں چارے کی تکلیف نہیں ہو گی۔ ہم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ لوگ وہاں ٹھہرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میں کل یہاں گھاس خریدنے آیا تھا اور اب بڑی مشکل سے چند گٹھے حاصل کیے ہیں"۔

"شکریہ! اگر مجھے وہاں ٹھہرنا پڑا تو میں اپنے گھوڑے کو بھوکا رکھنا پسند نہیں کروں

گا تمہارے سرائے کہاں ہے؟"

"آپ جنوبی دروازے سے سیدھے سڑک پر چلے جائیں۔ آپ کو بائیں ہاتھ سرائے کا دروازہ دکھائی دے گا۔ مالک کا نام عبدالستار ہے۔ لیکن آپ کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ دروازہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں سے بگھی گزر سکتی ہے۔ سڑک کے پار سرائے کے بالکل سامنے ایک حمام ہے اور چند قدم آگے آپ کو ایک وسیع چوک دکھائی دے گا۔ میرا نام عثمان ہے"۔

سارہ بھاگتی ہوئی نمودار ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر دو سیب سلمان کو پیش کر دیے۔ "ہم نے اپنے اجڑے ہوئے باغ سے چند سیب تلاش کیے تھے۔ اگر آپ پہلے آتے تو میں جھولی بھر کر لاتی۔ امی جان نے سارے تقسیم کر دیے اور صرف یہ دو ہی رہ گئے تھے"۔

سلمان نے تذبذب کی حالت میں لڑکی کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ سے ایک سیب لے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ پھر کچھ دیر بعد ایک معصوم اداس اور ذہین چہرہ جو ماضی کے اجالوں اور مستقبل کے اندھیروں کا آئینہ دار تھا اس کی نگاہوں کے سامنے گھومتا رہا۔

☆☆☆

سلمان شہر کے دروازے کے قریب پہنچا تو ایک بگھی ڈیوڑھی میں داخل ہو رہی تھی اور اس سے چند قدم پیچھے گھاس، ایندھن اور غلے سے لدے ہوئے تین چھکڑوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ جب بگھی کے پیچھے گھاس کا چھکڑا ڈیوڑھی کی طرف بڑھا تو پہرے داروں نے اچانک اسے روک دیا اور گاڑی کو تیزہ دکھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

ایک آدمی نے جو سر پر مرغیوں کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے تھا کترا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پہرے دار نے غضب ناک ہو کر اسے دھکا دیا اور وہ ٹوکرے سمیت

پیٹھ کے بل گر پڑا۔

یک لخطہ بعد ہر ن گدھا چھوڑ کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے گرنے والے آدمی کو سہارا دے کر اٹھایا اور غصے کی حالت میں پہرے داروں پر برس پڑا

"تمہیں یک کمزور آدمی کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے"۔

اس کی دیکھا دیکھی دوسرے آدمیوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا۔ مرغیوں والے نے جلدی سے اپنا ٹوکرا اٹھایا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر پہرے داروں کو بے تحاشا گالیاں دینا شروع کر دیں۔

سلمان نے جو چند قدم دور گھوڑا روک کر ایک گاڑیبان سے اس ہنگامے کی وجہ دریافت کی اس نے جواب دیا:

"جناب! یہ پہرے دار بڑے ظالم ہیں۔ جب جی چاہتا ہے دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ ہم یک گھنٹہ سے یہاں کھڑے ہیں۔ ابھی کسی امیر آدمی کی بگھی یہاں آئی تھی تو انہوں نے یک منٹ میں اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ اب وہ پھر دروازہ بند کر رہے ہیں۔

سلمان نے چونک کر ڈیوڑھی کی طرف دیکھا۔ دو سپاہی کواڑ دھکیل رہے تھے۔ اس نے جلدی سے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دروازے کے سامنے اور ڈیوڑھی کے اندر جو پہرے دار اس کے راستے میں کھڑے تھے وہ چیختے چلاتے دائیں بائیں ہٹ گئے اور ڈیوڑھی کے آگے دو مسلح آدمی اپنا نیزہ سنبھالتے رہ گئے۔

پھر وہ اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے سلمان نے صرف ایک بار مڑ کر انہیں دیکھا اور اس کے بعد ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے بائیں ہاتھ ایک کشادہ ڈیوڑھی دکھائی دی۔ اس نے گھوڑے کو روک کر ایک ثانیے کے لیے پیچھے کی طرف دیکھا اور پھر باگ موڑ کر دو

منزل عمارت کے وسیع صحن میں داخل ہو گیا۔ وہاں درمیانی عمر کا ایک خوش وضع آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سلمان اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ سامنے برآمدے سے ایک نوکر بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے سلمان کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"یہ عبدلمنان کی سرائے ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔

"جی ہاں!" نوکر نے جواب دیا۔

"وہ کہاں ہیں؟"

خوش وضع آدمی نے اٹھ کر کہا "فرمایئے! میرا ہی نام عبدلمنان ہے"۔

"مجھے عثمان نے آپ کا پتا دیا تھا"۔ سلمان نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "راستے میں ایک بستی میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے شہر میں ایک ضروری کام ہے لیکن میرا گھوڑا تھکا ہوا ہے۔ اس لیے اسے یہاں چھوڑنا چاہتا ہوں۔"

عبدلمنان نے نوکر سے کہا "گھوڑے کو اصطبل میں لے جاؤ"۔

نوکر گھوڑے کو لے کر چل دیا اور سلمان جلدی سے ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہریئے!" عبدلمنان نے آواز دی۔

سلمان رک گیا اور مڑ کر اضطراب کی حالت میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"دیکھیے مجھے بہت جلدی ہے!"

عبدلمنان نے آگے بڑھ کر سلمان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "میں اس گستاخی کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ لیکن آپ کو کوئی خطرہ درپیش ہے یا کوئی آپ کا پیچھا کر رہا ہو تو آپ کو ادھر ادھر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

سلمان نے جواب دیا "مجھے اندیشہ ہے کہ دروازے کے پہرے دار میر

پیچھا کریں گے۔ جب میں وہاں پہنچا تھا تو وہ دروازہ بند کر رہے تھے۔ مجھے جلدی تھی ورنہ میں غچہ دے کر وہاں سے نکل آیا ہوں اور انہیں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ اگر ان کی مدد کے لیے سوار پہنچ گئے تو مجھے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں اور شہر میں ایک ضروری کام سے فارغ ہونے کے بعد مجھے اس بات کی پروا نہیں ہو گی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ پہریدار یہاں تک آپ کا پیچھا کرنے کی جرات نہیں کریں گے۔ آج شہر کی یہ حالت ہے کہ آپ کسی بازار میں کھڑے ہو کر حکومت کے خلاف چند نعرے لگا دیں تو آس پاس کی آبادی آپ کی حمایت کے لیے نکل آئے گی۔ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

"میں بلبیس جانا چاہتا ہوں"۔

"آپ کو اگلے چوک سے بگھی مل جائے گی"۔

سڑک پر پہنچ کر سلمان نے کہا "میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے"۔

عبدالمنان نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا "عثمان نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ کب آئے گا؟"

"وہ روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑا تھا لیکن اگر پہرے داروں نے دروازہ نہ کھولا تو اسے شہر کے باہر رکنا پڑے گا"۔

"میں وہیں جا رہا ہوں اور انشاء اللہ جب آپ واپس آئیں گے تو عثمان آپ کے استقبال کے لیے موجود ہو گا"۔

سلمان چوک کے قریب پہنچا تو اسے ایک چھوٹا سا جلوس دکھائی دیا جس کے آگے آگے ایک آدمی نقارہ بجا رہا تھا۔ سلمان آگے بڑھا تو نقارہ بجانے والا یہ اعلان کر رہا تھا

"غرناطہ کے حریت پسند وں شیخ حامد بن زہرہ تمہارے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام لائے ہیں۔ وہ غرناطہ پہنچ چکے ہیں اور آج نماز مغرب کے بعد البیسین کی جامع مسجد میں قوم سے خطاب کریں گے اگر آپ قوم کے غداروں کی سازشیں ناکام بنانا چاہتے ہیں تو ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں"۔

یہ اعلان سننے کے بعد حامد بن زہرہ کی سلامتی کے متعلق سلمان کی پریشانی بہت حد تک دور ہو چکی تھی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک بگھی میں سوار ہو کر البیسین کا رخ کر رہا تھا۔

☆☆☆

بگھی مدرسے کے دروازے کے سامنے رکی اور سلمان نیچے اتر کر ایک دینار کوچوان کے ہاتھ میں تھما دیا اور جلدی سے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ کئی بار بھاری کواڑ پر دستک دینے کے بعد اسے دھکا دینے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اندر سے زنجیر لگی ہوئی ہے۔ کچھ دیر دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد وہ آوازیں دے رہا تھا:

"کوئی ہے! کوئی ہے! دروازہ کھولو"۔

پاس ہی چند لڑکے اور تین مسلح پہرے دار کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک قد آور اور خوش پوش آدمی نے کہا:

"جناب اندر کوئی نہیں۔ مدرسے کو چھٹی ہو چکی ہے"۔

سلمان مڑ کر کوچوان سے مخاطب ہوا "ان کی قیام گاہ کا ایک دروازہ پچھلی گلی میں ہے۔ وہاں کوئی نوکر ضرور موجود ہوگا"۔

کوچوان نے کہا "آئیے میں آپ کو گلی کے سامنے پہنچا دیتا ہوں"۔

سلمان جلدی سے بگھی پر بیٹھ گیا۔

کوچوان نے بگھی موڑ لی اور تھوڑی دیر میں وہ مسجد کے اوپر سے چکر لگانے کے بعد عقب کی تنگ گلی کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ کوچوان نے کہا:

"جناب! آگے گلی تنگ ہے بگھی اندر نہیں جا سکتی۔ آپ خود جا کر پتا لگائیں۔ ممکن ہے کہ مدرسے کی طرح مکان بھی خالی ہو اور آپ کو واپس جانا پڑے۔ آپ مجھے دو طرفہ کرائے سے بہت زیادہ دے چکے ہیں۔ میں بخوشی آپ کا انتظار کروں گا"۔

"نہیں تم جاؤ۔ مجھے وہاں کچھ وقت لگے گا"۔ سلمان یہ کہہ کر چل دیا۔

کوچوان بگھی موڑ رہا تھا کہ وہ تین نوجوان جنہیں اس نے مدرسے کے دروازے کے سامنے دیکھا تھا اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کون تھا؟" دراز قد آدمی نے پوچھا۔

"کوچوان نے جواب دیا "معلوم نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کہیں باہر سے آیا ہے۔ اسے البسین کا راستہ معلوم نہ تھا۔ کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے اس نے ایک دینار دیا"۔

"وہ کس کو تلاش کر رہا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ اس نے پہلے مجھے یہ کہا تھا کہ مجھے البسین کی جامع مسجد لے چلو۔ پھر اس نے کہا کہ مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ہے مجھے وہاں اتار دو۔ میں وہاں ایک عزیز کا پتا لگانا چاہتا ہوں"۔

"احمق آدمی تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ اس گلی میں حامد بن زہرہ کا گھر ہے اور آج غرناطہ کا ہر غدار انہیں تلاش کر رہا ہے۔ اب یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

کوچوان نے پریشان ہو کر گھوڑے کو چابک رسید کر دیا اور یہ تینوں آدمی گلی میں داخل ہو گئے۔

سلمان تھوڑی دور آگے ایک عمر رسیدہ آدمی سے پوچھ رہا تھا

"آپ اسی گلی میں رہتے ہیں؟"

"جی ہاں! اس سے آگے ساتواں مکان میرا ہے"۔

"یہ حامد بن زہرہ کا مکان ہے؟"

"ہاں"۔

"آپ کو معلوم ہے اس کا دروازہ کب سے بند ہے؟"

"میں صبح کی نماز سے واپس آیا تھا تو دروازہ کھلا تھا۔ اس کے بعد میں نے حامد بن زہرہ کی آمد کی خبر سنی تو بھاگتا ہوا یہاں پہنچا لیکن دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور کئی آدمی باہر کھڑے تھے۔ میں نے مدرسے کے دروازے کی طرف جا کر ان کا پتا تو معلوم کیا کہ مدرسے میں چھٹی ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ مدرسے کا دروازہ بند کرنے کے بعد اس مکان کے راستے باہر نکل گیا ہوگا"۔

سلمان نے کہا "دیکھیے میں حامد بن زہرہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ایسے آدمی کا پتا بتا سکتے ہیں جسے ان کی جائے قیام کا علم ہو"۔

"جناب میں نے کئی آدمیوں سے ان کی قیام گاہ معلوم کی ہے لیکن کسی کو ان کا ٹھکانا معلوم نہیں"۔

ور زقند آدمی نے جو خاموشی سے چند قدم دور کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا آگے بڑھ کر کہا:

"اگر کوئی ضروری بات ہے تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک آدمی کو ان کا ٹھکانا معلوم ہوگا۔ آئیے"۔

"وہ کہاں ہے؟"

"اس کا گھر زیادہ دور نہیں آپ میرے ساتھ چلیں"۔

سلمان اس کے ساتھ چل پڑا اور باقی نوجوان اس کے پیچھے ہو لیے۔ کوئی دو سو قدم کے بعد وہ دائیں ہاتھ مڑ کر قدرے کشادہ گلی میں داخل ہوئے۔ سلمان کے رہنما نے اچانک سوال کیا:

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں مدرسے سے آیا ہوں"۔

"آپ آج ہی آئے ہیں؟"

"ہاں"

"آپ کو حامد بن زہرہ کی اطلاع وہاں ملی تھی؟"

سلمان نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا:

"میں آپ کو ساری باتیں نہیں بتا سکتا۔ آپ کی تسلی کے لیے یہ عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ حامد بن زہرہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اور میں انہیں ایک ضروری پیغام دینا چاہتا ہوں"۔

"معاف کیجیے میں آپ پر شک نہیں کرتا لیکن ان دنوں ہم ایسے حالات کا سامنا کر رہے ہیں کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے بھی خوف محسوس کرتا ہے"۔

"مجھے معلوم ہے لیکن آپ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں"۔

دوسرے نوجوان نے کہا "ولید! یہ درست کہتے ہیں ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے"۔

گلی کے موڑ پر دائیں ہاتھ مڑتے ہوئے انہیں چند لڑکے دکھائی دیے جو بظاہر طالب علم معلوم ہوتے تھے۔ ایک لڑکا حامد بن زہرہ کی آمد کا اعلان کر رہا تھا اور آس پاس کے گھروں سے نکل کر ان کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ ایک آدمی سلمان کے ساتھی کو دیکھ کر چلایا:

"دیکھو وہ ولید آ رہا ہے۔ اسے یقیناً معلوم ہوگا وہ کہاں ٹھہرے ہیں"۔ وہ آن کی آن میں ولید کے گرد جمع ہو گئے اور ایک آدمی نے اس سے پوچھا

آپ کو معلوم ہے کہ حامد بن زہرہ کہاں ہیں؟

"نہیں"۔

"کیا وہ واقعی غرناطہ پہنچ چکے ہیں؟"

"تمہیں منادی کرنے والوں پر اعتبار ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وہ تقریر کرنے مسجد میں آئیں گے تو آپ انہیں بچشم خود دیکھ سکیں گے۔ لیکن اس وقت اگر کسی کو ان کا ٹھکانا معلوم بھی ہو تو بھی وہ آپ کو نہیں بتائے گا۔ آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس وقت آپ سے کہیں زیادہ حکومت کے جاسوس اور قوم کے غدار ان کے متعلق فکرمند ہیں جنہیں ان کی آمد کے باعث دوبارہ جنگ شروع ہو جانے کا خوف ہے۔ ہم نے کئی غداروں کو مسجد کے آس پاس پھرتے دیکھا ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی یہاں بھی موجود ہو۔ اس لیے آپ کو شام تک صبر سے کام لینا چاہیے۔ اب میرا وقت ضائع نہ کیجیے۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔"

ولید آگے بڑھا اور لوگ ادھر ادھر ہٹ گئے۔

سلمان نے کچھ دیر قبل اپنے رہنما کے سوالات سے جو ہلکا سا اضطراب محسوس کیا تھا وہ اب دور ہو چکا تھا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پرانی عمارت کے اندر داخل ہوئے جو مکان کی بجائے ایک مسافر خانہ معلوم ہوتی تھی۔ ڈیوڑھی سے آگے کشادہ صحن کے تین طرف چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ سلمان کو وہاں ایک بوڑھے نوکر کے سوا جو ڈیوڑھی سے باہر دھوپ میں خراٹے لے رہا تھا کوئی اور آدمی نظر نہ آیا۔

"آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟" سلمان نے اپنے رہنما سے پوچھا۔

ولید نے جواب دیا "یہ طلبا کی قیام گاہ ہے لیکن اس وقت وہ سب حامد بن زہرہ کی تقریر کی منادی کر رہے ہیں۔"

"لیکن آپ مجھے یہاں کس لیے لے آئے ہیں؟"

"آپ تھوڑی دیر جمیل کے کمرے میں آرام کریں۔ میں بھی ان کا پتا لگا کر

واپس آجاؤں گا"۔

"جمیل کون ہے؟"

"جناب جمیل میرا نام ہے آیئے"۔دوسرے نوجوان نے کہا۔

سلمان نے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "دیکھیے اگر آپ حامد بن زہرہ کی جان کی کوئی قیمت سمجھتے ہیں تو وقت ضائع نہ کیجیے اور مجھے فوراً ان کے پاس پہنچا دیجیے"۔

"آپ کا مطلب ہے کہ ان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟"

سلمان نے مضطرب ہو کر کہا "میں ایک بار آپ کو بتا چکا ہوں کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے"۔

ولید نے کہا "اگر آپ انہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غرناطہ میں غداروں کی جماعت ان کے خون کی پیاسی ہے تو یہ بات ان کے لیے نئی نہیں ہوگی۔تاہم میں یہ کوشش کروں گا کہ آپ کو بلا تاخیر ان کے پاس پہنچا دیا جائے۔میں نے ان کے جس دوست کا ذکر کیا تھا اس کا گھر زیادہ دور نہیں۔اگر وہ حامد بن زہرہ کی جائے قیام کا پتا دینے پر آمادہ ہو گیا تو فوراً وہاں جاؤں گا اور انہوں نے آپ کو قابل اعتماد سمجھا تو میں آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گا۔ممکن ہے کہ وہ بذات خود یہاں تشریف لے آئیں۔آپ مجھے صرف اپنا نام بتا دیجیے"۔

"میرا نام سلمان ہے لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ ہے تو بھی مجھے اس بات کا موقع ملنا چاہیے کہ میں اپنی صفائی پیش کرسکوں اور میں غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے سوا کوئی اور گواہ پیش نہیں کر سکتا"۔

"دیکھیے! اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔اگر آپ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تو تھوڑی دیر صبر کریں"۔

ولید یہ کہہ کر تیزی سے واپس مڑا اور آن کی آن میں ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا۔

سلمان اضطراب اور بے بسی کی حالت میں ان کے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جمیل نے اپنے ساتھی سے کہا" اویس! تم ڈیوڑھی کا دروازہ بند کر دو اور باہر کے کسی آدمی کو اندر آنے کی اجازت نہ دو!"

پھر وہ سلمان سے مخاطب ہوا" جناب! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں اگر حامد بن زہرہ آپ کو جانتے ہیں تو انشاء اللہ بہت جلد آپ کی ملاقات ہو جائے گی آیئے"۔

سلمان مجبوری کی حالت میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ جمیل نے صحن عبور کرنے کے بعد ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا اور وہ اندر داخل ہوئے۔

کمرے کا سامان بہت مختصر تھا۔ فرش پر معمولی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی چارپائی پر بستر لگا ہوا تھا اور ایک طاقچے میں چراغ کی سیاہی جمی ہوئی تھی۔ چارپائی کے ساتھ ایک طرف چھوٹی سی تپائی اور صندل پڑی ہوئی تھی۔ کونے میں لکڑی کے ایک صندوق کے علاوہ پانی کی صراحی نظر آتی تھی۔ جس کے اوپر مٹی کا ایک پیالہ ڈھکنے کا کام دیتا تھا۔ دائیں ہاتھ دروازے کے ساتھ ایک کشادہ الماری میں کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ سامنے کی دیوار میں چھت کے قریب ایک چھوٹا سا روزن تھا۔

"تشریف رکھیے" جمیل نے صندلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلمان نے تلوار اتارنے کی بجائے کمر کی پیٹی ڈھیلی کر دی اور صندلی پر بیٹھ گیا۔ جمیل نے اس کے سامنے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"جب پہلی بار میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ میں کسی قید خانے میں آگیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا تاثر بھی یہی ہوگا"۔

"ہاں!" سلمان نے بے توجہی سے جواب دیا "مجھے یہ عمارت کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے"۔

جمیل نے کہا "اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہے۔ پہلے یہ ایک چھوٹا سا قید خانہ تھا۔ کوئی چالیس سال قبل مرکزی خانے کی توسیع کے بعد حکومت نے اسے ایک یہودی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور اس نے اسے ایک سرائے میں تبدیل کر دیا۔ پھر چند سال بعد وہ یہودی مر گیا تو اس کی بیوہ نے یہ سرائے ایک مسلمان تاجر کے ہاتھ فروخت کر دی۔ جنگ کے ابتدائی ایام میں اس تاجر کا اکلوتا بیٹا شہید ہو گیا اور وہ اپنی وسیع جائیداد کا نصف حصہ مستحق طلباء کی امانت کے لیے وقف کر کے منبج چلا گیا"۔

سلمان نے بظاہر بڑے غور سے جمیل کی گفتگو سن رہا تھا لیکن اس کو اس عمارت کی تاریخ میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

جمیل نے اچانک اٹھ کر کہا "معاف کیجیے! میں نے آپ سے کھانے کے متعلق نہیں پوچھا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ میں ابھی منگواتا ہوں"۔

سلمان نے کہا "نہیں نہیں، آپ میرے کھانے کی فکر نہ کریں۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنے سے پہلے بھوک محسوس نہیں ہوگی"۔

"ایک سپاہی کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی قوت اور توانائی برقرار رکھے"۔ جمیل یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پانی کا کوزہ تھا۔

"آئیے" اس نے دہلیز سے باہر کوزہ رکھتے ہوئے کہا "ہاتھ دھو لیجیے!"

سلمان اٹھ کر آگے بڑھا تو جمیل کے پیچھے نوکر کھانے کا طشت اٹھائے آ رہا تھا۔

جمیل نے اس کے ہاتھ دھلاتے ہوئے کہا:

"مجھے باہر سے کھانا منگوانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ طلباء حامد بن زہرہ کی آمد کی اطلاع ملتے ہی باہر چلے گئے تھے اور ان کا کھانا اسی طرح پڑا ہوا ہے"۔

نوکر تپائی پر طشت رکھ کر باہر نکل گیا اور سلمان اور اس کا میزبان پھر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

"بسم اللہ کیجیے"۔ جمیل نے طشت پر سے کپڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نہیں کھائیں گے؟" سلمان نے پوچھا

"میں ایک دوست کے گھر سے کھا چکا ہوں"۔

"پھر اپنے ساتھی کو بلا لیجیے"۔

"وہ بھی کھا چکا ہے"

سلمان کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ ابھی اس نے روٹی کے دو لقمے حلق میں اتارے ہی تھے کہ صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور چند ثانیے کے بعد وہیں دروازے میں کھڑا تھا۔

"جمیل" اس نے کہا "ذرا باہر آؤ! محلے کے چند بیوقوف آدمی ڈیوڑھی کے سامنے جمع ہو رہے ہیں۔ کسی نے افواہ اڑا دی ہے کہ حامد بن زہرہ یہاں چھپے ہوئے ہیں اور وہ اندر آنے پر مصر ہیں۔ میں نے انہیں سمجھایا ہے کہ اندر کوئی نہیں لیکن وہ میری بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ شاید تم انہیں سمجھا سکو"۔

"چلو" جمیل نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہیں نے پھاٹک کو بند کر کے باہر سے زنجیر چڑھا دی۔

سلمان سراسیمہ ہو کر اٹھا اور بھاگ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

وہیں! جمیل! وہ کواڑ کھولنے کی ناکام کوشش کے بعد چلایا۔

"تم کیا کر رہے ہو دروازہ کھولو"۔

لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ کچھ دیر غم و غصے کی حالت میں دروازے کو دھکے دیتا رہا لیکن اس کی جدوجہد بے نتیجہ رہی۔ باہر کی دیوار بہت چوڑی تھی۔ اور دروازے کی چوکھٹ اور کواڑ اتنے مضبوط تھے کہ سلمان کو زور آزمائی میں کوئی فائدہ

نظر نہ آیا۔

باہر سے وسیں کی آواز سنائی دی "جناب آپ کو زبردستی باہر نکلنے کا خیال اپنے دل سے نکال دینا چاہیے۔ جب شہر میں حامد بن زہرہ کا کام ختم ہو جائے گا تو آپ کو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر آزاد کر دیا جائے گا"۔

"سلمان چلایا "احمق آدمی اگر تم حامد بن زہرہ کے دشمن اور حکومت کے جاسوس نہیں تو میری بات سنو"۔

"آپ ہمیں جی بھر کر گالیاں دے سکتے ہیں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ بلیسین میں ہر نا واقف آدمی کو اپنا دشمن سمجھیں اور آپ ہمارے لیے سراسر ایک اجنبی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی باتوں سے ہمارے دل میں جو شبہات پیدا ہوئے ہیں وہ غلط ہوں اور ہمیں بعد میں نادم ہونا پڑے لیکن اس وقت ہمارے سامنے اس کے سوا اور کوئی مسئلہ نہیں کہ حامد بن زہرہ مسجد تک پہنچ جائیں اور انہیں عوام سے آخری بات کہنے کا موقع مل جائے"۔

سلمان چلایا "خدا کے لیے ولید کو بلاؤ۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں"۔

ولید کی آواز سنائی دی "دیکھیے میرے ساتھ گفتگو سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کو بہر حال شام تک یہاں رہنا پڑے گا۔ ہمیں حامد بن زہرہ کی آمد کا اعلان اس لیے کرنا پڑا کہ اس کے سوا عوام کو مسجد میں جمع کرنے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ ورنہ ہمیں ان خطرات کا پورا پورا احساس ہے جو انہیں قوم کے دشمنوں کی طرف سے پیش آ سکتے ہیں غدار اس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ ان کی آواز حلق سے باہر نہ آ سکے۔ شہر میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جنہیں معمولی لالچ دے کر ان کے قتل پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ حامد بن زہرہ کے بہی خواہ ہیں اور آپ کو ان کی سلامتی کے متعلق پریشانی ہے تو آپ کے لیے یہ اطمینان کافی ہونا چاہیے کہ ان کے جاں نثار اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں۔ ہم نے کسی موہوم خطرے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہ

باتیں میں نے اس لیے کہی ہیں کہ میں ذاتی طور پر آپ کے لیے تذبذب میں ہوں۔ اب میں آپ سے مودبانہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ اطمینان سے شام ہونے کا انتظار کریں اور ہمارے لیے یا خود کے لیے مزید بدمزگی پیدا نہ کریں۔ جب وقت آئے گا تو آپ کو ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ آخری بات جو میں آپ سے کہنا ضروری سمجھتا ہوں یہ ہے کہ شام سے قبل کمرے سے نکلنے کے لیے آپ کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ دروازے کی کسی بڑی درز سے باہر جھانک کر دیکھ سکیں تو آپ کو آٹھ آدمی پوری طرح مسلح نظر آئیں گے۔ آپ یقیناً یہ پسند نہیں کریں گے کہ ان کے ہاتھوں سے ناحق آپ کا خون ہو جائے خدا حافظ"

سلمان نے کرب انگیز لہجے میں کہا "ولید خدا کے لیے میری ایک بات سن لو! میں حامد بن زہرہ کا دوست ہوں۔ ان کا بیٹا سعید اور جعفر نامی نوکر مجھے جانتے ہیں۔ اگر شام سے پہلے آپ ان میں سے کسی کے ساتھ بات کرنے کا موقع ملے تو اسے بتا ضرور دیجیے کہ وہ ہاشم کا اعتبار نہ کریں۔ ہاشم انکے گاؤں کا ایک رئیس ہے میں یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ وہ غداروں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اسے کسی صورت میں بھی حامد بن زہرہ تک رسائی کا موقع نہ ملنا چاہیے"۔

ولید نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اندراش کے بجائے ان کے گاؤں سے آئے ہیں اور آپ کا پہلا بیان غلط تھا۔ بہر حال میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اگر مجھے موقع ملا تو آپ کا یہ پیغام پہنچا دیا جائے گا جہاں تک ہاشم کا تعلق ہے آپ کو قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ غرناطہ میں ان سے زیادہ خطرناک دشمن موجود ہیں اور آپ مجھے ان کے متعلق اپنی ذمہ داری پورا کرنے سے روک رہے ہیں خدا حافظ"۔

سلمان کچھ دیر دروازے سے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنتا رہا اور پھر نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد اس کی یہ حالت تھی کہ وہ کبھی اٹھ کر کواڑ کی درز سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتا اور کبھی بے چینی کی حالت میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ اس قید سے آزاد ہونے کی مختلف تدبیریں اس کے ذہن میں آئیں اور اگر سے اس بات کا یقین ہوتا کہ وہ ولید اور اس کے ساتھیوں کی اعانت کے بغیر حامد بن زہرہ کو تلاش کر سکے گا تو وہ اس کوٹھری سے نکلنے کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو جاتا۔ تلوار خنجر اور طمنچے کے علاوہ بارود کی ایک تھیلی اس کے پاس تھی اور وہ یہ جانتا تھا کہ بارود سے دیوار کے کسی حصے میں شگاف ڈالنا مشکل نہیں۔

اس میں خطرہ ضرور تھا لیکن سلمان فطرتاً ایک نڈر آدمی تھا۔ وہ ولید کی اس دھمکی سے بھی مرعوب نہیں تھا کہ اسے باہر نکلتے ہی تیروں کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے کسی خطرناک ارادہ سے اس کے خون کی گردش تیز ہو جاتی اور پھر یکایک اس کی قوت فیصلہ جواب دے جاتی۔ وہ اپنے دل سے پوچھتا کہ حامد بن زہرہ کے متعلق ولید اور اس کے ساتھیوں کے جذبات میرے جذبات سے مختلف ہیں؟ کیا ان کی احتیاط کی ایک وجہ یہ نہیں کہ میں بہر حال ایک اجنبی ہوں اور یہ لوگ ایسے حالات کا سامنا کر رہے ہیں کہ انہیں اپنے سایہ سے بھی خوف محسوس ہوتا ہے؟ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو کیا میرا طرز عمل ان سے مختلف ہوتا؟

اور پھر سلمان کو یہ محسوس ہوتا کہ ولید اس کے سامنے کھڑا یہ کہہ رہا ہے

”میرے بھائی ہمیں تم سے کوئی عناد نہیں۔ ہم صرف اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور تم نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو حامد بن زہرہ کی زندگی عزیز نہیں۔ تمہاری طرح غرناطہ کے ہزاروں آدمی انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ ان میں حریت پسند بھی ہیں اور غدار بھی۔ ہمارے لیے ان سب کو پرکھنے کا یہ وقت نہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ حامد بن زہرہ قوم کے ضمیر کی آخری آواز ہیں اور قوم کے مجرم ان

کے خون کے پیاسے ہیں۔ ہماری مستعدی اور فرض شناسی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ وہ ان کی قیام گاہ تلاش نہیں کر سکے"۔

سلمان کا ذہنی اضطراب آہستہ آہستہ دور ہو رہا تھا اور تقریباً ایک پہر بعد وہ بستر پر بیٹا یہ طمینان محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی سمجھ اور ہمت کے مطابق ہر فرض پورا کر چکا ہے ورا س سے زیادہ اس کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ پھر کچھ دیر اونگھنے کے بعد اسے نیند آگئی۔

☆☆☆

پیغام

الحسین کی مسجد میں حامد بن زہرہ کی آواز گونج رہی تھی:

''فرزندانِ قوم! تمہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی اس قبرستان کا سناٹا توڑنے کے لیے میری چیخوں کی ضرورت ہے۔ تمہیں یہ آخری فریاد سنانے کی پوری کوشش کروں گا۔ تمہاری آزادی کے بہتے ہوئے چشموں کو خون کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری تمہیں محسوس ہو جانا چاہیے کہ ایک تمام قوم کے آنسو ایک قوم کے تاریخی گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتے

دنیا میں کی ہوئی غلطیوں کی تلافی ممکن ہے۔ بگڑی ہوئی بستیاں دوبارہ آباد کی جا سکتی ہیں۔ شکستہ قلعے دوبارہ تعمیر ہو سکتے ہیں تاریک راتوں میں بھٹکے ہوئے قافلے صبح کی روشنی میں دوبارہ منزل تلاش کر سکتے ہیں لیکن ایک ایسی شام بھی ہے جس کے لیے کوئی کفارہ کافی نہیں ہوتا اور بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس کے بعد کوئی صبح نہیں ہوتی۔

اہلِ غرناطہ! میں تمہیں اسی آخری شام سے ڈرانا چاہتا ہوں۔ زمانے کے بعد قوموں کے لیے رحم اور بخشش کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں اس تاریک رات کی آمد سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جس کی صبح نہیں ہوتی۔

ایک قوم کا آخری گناہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دستبردار ہو جاتی ہے اور زندگی سے منہ موڑ

کا دل توڑنے کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ انھوں نے تم پر خدا کی
رحمت کے سارے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے ہیں
۔ محبوب سے [illegible] تمام امیدوں کا سبب ہے۔
تم سے وہ دینی اور اخلاقی سہارا توڑ دیے ہیں جو مظلوم اور
بے بس انسانوں کے لیے کہیں بھی جائے پناہ کا کام دیتے
ہیں۔

اگر یہ دین اور تمہاری تہذیب ہوتی تب ہی تمہارے دوستی کے
کس قدر خسارہ ہے کہ وہ تمہیں تمہارے خدا کی نعمت سے
سہارے چھین لیتے ہیں جو تمہاری تنہائیوں کے ساتھی
کار ہو سکتے تھے۔ یاد رکھو! جب وہ دن آئے گا جب مستقبل
تمہاری زندگی اور حق و صداقت کو مٹا دیں گے تو تمہارے
غم و مصائب کی نہ ختم ہونے والی رات شروع ہو جائے گی
اور یہی روح کی رات کے اندھیروں کے تصور سے
کانپ اٹھتی ہے۔

وہ تو تجھے اس معاہدے پر مجبور کرنے کی ضرورت محسوس
تم مستقبل کے امن اور خوشحالی کی ضمانت سمجھتے ہو۔ یہ اس
مغربیت کے چہرے کا حسین نقاب ہے جس کے خون آشام
دانت تمہاری شہ رگ تک پہنچ چکے ہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو
کہ تم یہاں ان فرنگیوں کی ہمسائیگی اور حمایت میں زندہ
رہ سکتے ہو تو تم سے عام ہونے کی ضرورت نہیں
انسانیت کے ماضی سے اپنی قوم کا حشر پڑھ لو
جس کا ہر قوم کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

جو قوم کی موت اور ذلت کے راستے کی آخری منزل ہے۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم اس قوم کی صف میں گم ہو جاؤ گے جس میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری تہذیب جیسی ہوس۔ شاید صدیوں تک اس قوم کا دشمن بنتی رہتی ہیں۔ عمر صرف زندہ رہنے کے لیے اُن کی غلامی قبول کر لے۔ گوارا ہوں کہ تمہارے بیٹے اور پوتے غلامی کی زنجیریں پہن کر بھی اپنے آقاؤں سے زندہ رہنے کا حق مانگ رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ اندیشہ ہے کہ تمہیں ایک بدترین غلامانہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ابھی ایمان اور ہمت کی ساری آرزوئیں ختم ہو جانے کے بعد بھی زندہ رہنے کا حق نہیں سمجھا جائے گا۔

تم قسطلہ اور ارغون کے سپاہیوں اور ان کی بربریت دیکھ چکے ہو لیکن ابھی تم نے کلیسا کے پادریوں کی عدالتیں نہیں دیکھیں۔ تم نے ان کے عقوبت خانے نہیں دیکھے جہاں کی شکنجوں میں جکڑے ہوئے انسان نا کردہ گناہوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تم نے اس کی چتائیں جہنم ہوتے ہوئے نہیں دیکھیں لیکن میں یہ سب دیکھ رہا ہوں۔

مجمع میں سے کسی نے جوش میں آ کر نعرہ بلند کیا "ابو عبداللہ غدار ہے! ابو القاسم دشمن کا جاسوس ہے!" اور مسجد کے مختلف گوشوں سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں اور چند ثانیے وقفے کے بعد حامد بن زہرہ کی آواز پھر بلند ہوئی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی خواہشات کے سانچوں میں [illegible]

[illegible] کہ زمانے کے [illegible]

[illegible] کے متقاضی ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] تمہاری جنگ [illegible]

[illegible]

[illegible] ختم ہوتا ہے۔

[illegible] کے بلند مقاصد سے منہ پھیر لو [illegible]

[illegible] منحرف ہو جاؤ تو صرف [illegible] کی طرح زندہ

رہنے کے لیے بھی تمہیں ان [illegible] کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو

تمہارا خون پئیں گے، تمہارا گوشت نوچیں گے اور تمہاری ہڈیاں

چبانے سے پہلے یہ اطمینان [illegible]

[illegible] تمہارے اندر [illegible] قوت [illegible]

سے ہے وہ کوئی تھوڑی باقی نہیں رہا [illegible]

[illegible] جاتا ہے۔

[illegible] کا آخری [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] کے لیے بھی آخری سہارا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] کہ یہاں سے [illegible]

[illegible]

[illegible] جب [illegible] آخری [illegible]

[illegible]

[illegible] کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

تمہیں اس بات سے خوش ہونا چاہیے کہ معبد کی [illegible]

بہت [illegible] اور آزادی کا [illegible] کرنے کے بعد تم [illegible]

[illegible] دولت اپنا [illegible]

گے۔ [illegible] دشمن [illegible] اطمینان ہو جائے گا کہ تمہاری

طاقت اور توانائی کے تمام [illegible] ہو چکے ہیں۔ تمہاری

امیدوں کے سارے چراغ بجھ چکے ہیں اور تمہاری [illegible]

قسمت کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی تو اس [illegible] خوبصورت

چہرہ [illegible] کے لبادوں میں چھپانے کی ضرورت باقی

نہیں رہے گی۔

[illegible]

[illegible] نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس معبد کے

خوبصورت [illegible] کے حق میں [illegible] اس وقت [illegible]

محسوس ہوتے کہ ظلم و وحشت کی آگ کے شعلوں میں
سے پھول تمہارے رحم سے بچ جانے کی امید تھیں

مجھے صرف یہی خدشہ نہیں کہ تمہاری دینی کتابیں ختم کر دی
جائیں گی۔ تمہارے کتب خانے تباہ کیے جائیں گے اور
تمہاری مساجد گرجوں میں تبدیل کر دی جائیں گی۔ مجھے تو یہ
اندیشہ ہے کہ تمہیں یہاں سے نکالا جائے گا اور تاریخ
میں تمہاری منزل سے بات کا ایک قبرستان ہو گی۔
مجھے مستقبل کے مورخ تمہارے مجرموں کے شمار کے
مقدمات دیکھ کر یہ بیان کریں گے کہ یہ اس
بدنصیب قوم کی یادگار ہیں جس نے آسمان کی بلندیوں سے
ہمکنار ہونے کے بعد ذلت اور پستی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ
اس قافلے کی آخری منزل ہے جس کے راہنماؤں نے اپنی
آنکھوں پر پٹیاں باندھ لی تھیں۔ یہ اس قوم کا قبرستان ہے
جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا کفن تیار کیا تھا۔

میرے عزیزو! مجھ سے یہ سوال بار بار پوچھا گیا ہے کہ میں
سمندر پار کے بھائیوں کی طرف سے کیا پیغام لایا ہوں۔ میرا
جواب یہ ہے کہ اہل غرناطہ عزت کا راستہ اختیار کرنا چاہتے
ہیں اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو گئے تو انہیں یہ
یقین رکھنا چاہیے کہ دنیائے اسلام کی ہمدردیاں ان کے
ساتھ ہوں گی۔ اگر تم نے اپنے دین کے دشمنوں کے
روبرو یہ ثابت کر دیا کہ اندلس میں تمام مسلمانوں کا آخری
معرکہ شروع ہو چکا ہے اور تم نے پا ثبات سے ہو لی

[illegible] تم حقیر [illegible] تو تم بے یار و مددگار نہیں ہو گے۔

[illegible] تمہاری حالت [illegible] سے [illegible] کل [illegible] ہی نہیں [illegible] وہ عظیم سلطنت جو تمہاری پشت پر ہو گی [illegible] کے پرچم کا سایہ بلادِ فرات سے لے کر [illegible] تک پھیلا ہوا ہے [illegible] تم نے [illegible] ناقابل شکست [illegible] کا [illegible] ثابت کر دیا ہے [illegible] کے ساحل تک [illegible] میں [illegible]۔

لیکن اگر تم [illegible] کا شکار ہو گئے [illegible] تم نے [illegible] کہ [illegible] کے سہارے ہی تمہاری [illegible] بدل سکتے ہیں تو کوئی بھی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔

تم [illegible] مسلمانوں کو [illegible] کا راستہ دکھانا چاہتے ہو تو پھر اپنے خون سے آزادی کے چراغ روشن کرو۔ لیکن اگر تم موت کی نیند سو گئے تو وہ تمہیں قبرستان سے [illegible] نہیں [illegible] گے۔

اس مرحلہ پر ایک آدمی نے اٹھ کر کہا "جناب! میں آپ کی بات تسلیم کرتا ہوں لیکن اگر آپ سے گستاخی نہ سمجھیں تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے قیدیوں کے متعلق کیا سوچا ہے؟"

مسجد کے مختلف گوشوں سے مشتعل لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں

"بیٹھ جاؤ! خاموش رہو! اسے باہر نکال دو! یہ حکومت کا جاسوس ہے!"

حامد بن زہرہ دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے پوری قوت سے گرجے:

"حضرت! آپ کو مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ ابھی میں نے اپنی تقریر ختم نہیں کی"۔

لوگ ایک دوسرے کو خاموشی کی تلقین کرنے لگے۔

حامد بن زہرہ نے تھوڑی دیر توقف کیا اور پھر سوال پوچھنے والے سے مخاطب ہوئے:

"میرے بھائی! یہ سوال بھی بہت اہم ہے۔ میں اس کا جواب دینے سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک ایک اور سوال اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں نے دشمن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تمہیں قیدی بنا کر غرناطہ منتقل کیا تھا انہوں نے قوم کے متعلق کیا سوچا تھا؟ میں ان نوجوانوں کو الزام نہیں دیتا جنہیں تمہارے چند بااثر لوگوں اور رہنماؤں نے ایک شرمناک سازش کی تکمیل کے لیے دشمن کے حوالے کر دیا تھا۔ انہیں یہ فریب دیا گیا تھا کہ اگر تم کچھ عرصے کے لیے دشمن کا یرغمال بننا قبول کر لو تو وہ مطمئن ہو جائے گا اور تمہاری قوم کو آزادی کا موقع مل جائے گا۔۔۔ اور اب تمہارے ذہن میں یہ بات ڈالی جا رہی ہے کہ اگر تم اتفاقی خوش قسمتی سے آزاد نہ ہوئے اور ہم نے جنگ دوبارہ شروع کر دی تو تمہارے بھائی وہیں شہید ہو سکتے ہیں لیکن ہم اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

وہ تقریباً دو چار عثمانی نوجوان غرناطہ سے اٹھا لائے تھے۔

[illegible] تمہیں [illegible] تھے [illegible]

ان سے کسی بات نہیں۔ اب صرف تمہاری ہمت اور نیت

پر [illegible] ثابت [illegible] ہیں

جب تمہیں اس بات کا ثبوت [illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے

مجھے [illegible]

معلوم ہوتی ہیں ان کے مطابق تمہیں [illegible]

[illegible] کرنے کا فیصلہ کرنے کے لیے حضرت کی [illegible]

دی گئی۔ لیکن یہ ایک فریب تھا۔ جن [illegible] نے

مستقبل [illegible] کے ساتھ [illegible] کر رکھا تھا وہ [illegible]

[illegible] تھے کہ وہ حضرت کی عبادت ختم ہونے سے پہلے ہی

[illegible] حالات پیدا کر دیں گے کہ تمہارے دل میں [illegible] کا

حوصلہ باقی نہ رہے گا۔

مجھے معلوم ہے کہ اس وقت قوم کے [illegible]

ہیں۔ ان سے یہ [illegible] کہ وہ اچانک [illegible]

[illegible] اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم [illegible]

گئے ہو [illegible] اس لیے تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی ان کی

سازشوں سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔

میں [illegible] چاہتا ہوں۔ آئندہ واقعات کا فیصلہ کرنے

سے پہلے ان لوگوں کے مشورے کی ضرورت ہے۔

ذلت کی موت کو عمر سے بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ نوجوان ہیں

مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنا میری پہلی ذمہ داری تھی

اور آپ نوجوان ہیں کہ میں اپنی ہمت اور استعداد کے مطابق یہ

ذمہ داری پوری کر چکا ہوں"۔

تقریر کے اختتام پر حامد بن زہرہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ پھر الحسین کے خطیب نے اٹھ کر کہا:

"حضرت! اس وقت شہر کے اکابر کسی جگہ جمع ہو کر آپ کے جلیل القدر مہمان کا انتظار کر رہے ہیں اس لیے حامد بن زہرہ آپ سے رخصت چاہتے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان کے پیچھے بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ صرف چند رفقاء ان کے ساتھ جائیں گے۔ مسجد کے باہر بھی ان کی حفاظت کے لیے مسلح رضا کار موجود ہیں۔ اب عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اس لیے آپ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں"۔

تھوڑی دیر بعد حامد بن زہرہ مسجد سے باہر نکل کر ایک بگھی پر سوار ہو رہا تھا۔

☆☆☆

سلمان نیند سے بیدار ہوا تو کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا اور کواڑ کی درز سے باہر جھانکنے لگا لیکن صحن میں بھی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک طرف آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں لیکن سلمان ان کی گفتگو نہ سن سکا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ اور سلمان کا رہا سہا اضطراب دور ہو گیا تھا۔ وہ اطمینان سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دن بھر کے واقعات پر غور کرتے ہوئے اس کے ذہن میں اب اس قسم کے خیالات آ رہے تھے

یا یہ ممکن ہے کہ کسی آدمی کا مکان ہو جو ان سے

باپ کا تمام کھیل قاتل ہو اور عاتکہ نے کسی غلطی سے

مغلوب ہو کر مجھے پریشان کیا ہو؟

میں حامد بن زہرہ تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ یہی بہت

ممکن تھا کہ میں صرف ایک لڑکی کا پیغام پہنچا کر اپنے

بے وقوفی ہوں۔ غلطی سے کر لیتا۔ میں نے اپنے آپ کو

موت کے لیے تیار تھا لیکن یہ بات کہتا تھا کہ غرناطہ میں

حامد بن زہرہ جیسے آدمیوں اور عاتکہ کی نگاہ سے

غداری تو کوئی بات پوشیدہ نہیں اور ان سب کی حالت

اس قدر نازک تھی کہ اگر میں عاتکہ کا پیغام پہنچانے میں

کامیاب ہو جاتا تو وہ بھی کسی مزید احتیاط کی ضرورت محسوس

نہ کرتے۔ میں اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ شاید اس

میں کوئی حکمت تھی کہ انہوں نے مجھے ایک مشتبہ آدمی سمجھ کر

یہاں بند کر دیا ہے۔

پھر وہ تصور میں عاتکہ سے کہہ رہا تھا:

''نادان لڑکی! تم نے بلاوجہ مجھے پریشان کیا! تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ وہ حق پرست جو غرناطہ کے تمام غداروں کو للکارنے اور فرڈیننڈ کے خلاف اعلان جہاد کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے تمہارے چچا کی کسی سازش سے خوفزدہ ہو کر اپنا راستہ تبدیل کر لے گا؟''

اسے یقین تھا کہ ولید نے حامد بن زہرہ کو میرا پیغام پہنچا دیا ہو گا اور وہ مسجد سے فارغ ہوتے ہی یا تو بذات خود یہاں آئے گا اور یا مجھے اپنے پاس بلا لے گا۔

قریباً ایک گھنٹہ اور انتظار کرنے کے بعد اسے پھر ایک بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔

"کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ولید نے میرا پیغام دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو اور وہ تقریر سے فارغ ہوتے ہی غرناطہ سے روانہ ہو گئے ہوں اور پھر جو غدار غرناطہ کے اندر کسی تصادم کی صورت میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے اسے راستے میں روکنے کی کوشش کریں؟ نہیں! نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس بدنصیب قوم کو حامد بن زہرہ کی ضرورت ہے۔ اسے زندہ رہنا چاہیے!"

پھر صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھول دیا۔ سلمان نے باہر نکلتے ہوئے غصے سے زیادہ شکایت کے لہجے میں کہا "تم لوگ ظالم بھی ہو اور بے وقوف بھی"۔

جواب میں جعفر کی آواز سنائی دی "جناب! میں جعفر ہوں اور مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں"۔

جعفر کو دیکھتے ہی سلمان کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے دوسرے پانچ آدمیوں سے چند قدم ایک طرف لے جا کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا:

"وہ بخیریت ہیں نا؟"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ان کی تقریر نہ سن سکے۔ اگر مجھے پہلے اطلاع مل جاتی تو میں اسی وقت آ کر آپ کو لے جاتا۔ ولید نے سعید سے اس وقت آپ کا ذکر کیا تھا جبکہ ہم مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ سعید اس بات سے سخت مضطرب تھا کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں۔ اگر اس کا اپنے والد کے ساتھ رہنا ضروری نہ ہوتا تو فوراً آپ کے پاس آتا۔ اب اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ آپ کو ولید کے ہاں پہنچا دوں اور صبح ہوتے ہی آپ کے ساتھ گاؤں پہنچ جاؤں اور ولید نے یہ درخواست بھی کی ہے کہ میں اس کی طرف سے معافی مانگوں"۔

"وہ کہاں ہے؟"

''وہ بھی ان کے ساتھ ہی بگھی پر سوار ہو گیا تھا''۔

''وہ کہاں گئے ہیں؟''

''وہ کسی دوست کے گھر گئے تھے لیکن اس وقت ان سے آپ کی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہاں غرناطہ کے سرکردہ آدمیوں کا اجلاس ہو رہا ہے۔ اور وہ کافی دیر مصروف رہیں گے۔ سعید کہتا تھا کہ اباجان کو پریشان کرنا مناسب نہیں۔ وہ فارغ ہوتے ہی آپ کے پاس آئے گا۔ اب چلیے آپ کو ولید کے گھر پہنچانے کے بعد مجھے واپس جانا ہے۔ آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟''

''میں اپنا گھوڑا جنوبی دروازے سے کچھ دور ایک سرائے میں چھوڑ آیا ہوں۔ سرائے کے مالک کا نام عبدالمنان ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا''۔

جعفر نے کہا ''میں عبدالمنان کو جانتا ہوں۔ وہ ایک مخلص آدمی ہے۔ اگر آپ سرائے میں پہنچتے ہی بتا دیتے کہ آپ حامد بن زہرہ کے دوست ہیں تو آپ کو اس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا تھا کہ انہیں غرناطہ میں کوئی خطرہ نہیں۔ اب چلیے میں آپ کو ولید کے ہاں پہنچانے کے بعد کسی کو سرائے سے آپ کا گھوڑا لانے کے لیے کہہ دوں گا''۔

سلمان نے کہا ''اگر آپ عبدالمنان کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سرائے میں چلا جاؤں اور وہاں ان کی ہدایات کا انتظار کروں۔ اگر مجھے واپس جانے کی اجازت مل گئی تو صبح ہوتے ہی وہیں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ویسے آپ کو اس بات کا پورا یقین ہے نا کہ غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے لیے کوئی خطرہ نہیں؟''

جعفر نے جواب دیا ''اگر آپ ان کی تقریر کے بعد اہل غرناطہ کا جوش و خروش دیکھ لیتے تو آپ کو یہ سوال پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اب شہر کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ تنہا کسی سڑک پر نکل آئیں تو بھی وطن کے غدار ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ زیادہ دیر غرناطہ میں نہیں رہیں گے۔ لیکن

آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ ان کی ہدایات کے خلاف غرناطہ کیوں آ گئے اور ہاشم کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ کوئی خطرناک کھیل کھیل رہا ہے؟"

سلمان نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ جعفر نے کچھ سوچ کر کہا "لیکن یہاں پہنچنے کے بعد ہم نے ہاشم کو نہیں دیکھا۔ اگر وہ غرناطہ آتا تو حامد بن زہرہ کو ضرور تلاش کرتا۔ پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب انہوں نے غرناطہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو وہ بار بار کہتا تھا کہ آپ فی الحال غرناطہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ اگر وہ غداروں کے ساتھ شامل ہو چکا ہوتا تو ان کی سلامتی کے متعلق اس قدر فکرمند کیوں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں عاتکہ کے وہم کا نتیجہ ہیں اور اگر اس کے خدشات درست ثابت ہوں تو بھی ہمیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج قوم کا ہر غدار حامد بن زہرہ کے خون کا پیاسا ہے اور اگر ہاشم ان میں شامل ہو چکا ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ غرناطہ میں اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ جب وہ جنوب کا رخ کریں گے تو قبائل ان کے ساتھ ہوں گے"۔

سلمان نے کہا "مجھے معلوم ہے کہ وہ کسی ذاتی خطرے سے پریشان نہیں ہو سکتے۔ تاہم میں نے عاتکہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا پیغام پہنچا دوں گا۔ اب تمہیں ان سے بات کرنے کا موقع نہ ملے تو میں کم از کم سعید کو یہ واقعات ضرور بتا دینا"!

جعفر نے جواب دیا "آپ اطمینان رکھیں۔ میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔ سعید بار بار یہ تاکید کرتا تھا کہ یہاں کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کون ہیں۔ غرناطہ میں آپ کو حامد بن زہرہ سے دور رکھنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ اس وقت وہ جن لوگوں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں انہیں آپ سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ ولید بھی اپنے طرز عمل پر سخت نادم تھا اور آپ سے معافی مانگتا تھا"۔

"ولید نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں ہونا چاہیے

لیکن میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں"۔

"فرمایئے!"

"اگر حامد بن زہرہ اچانک غرناطہ سے باہر جانے کا ارادہ کریں تو تم مجھے اطلاع ضرور دو گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک وہ اپنے گھر یا کسی اور محفوظ جگہ پہنچ جائیں میں ان کے ساتھ رہوں"۔

"میں یہ وعدہ کرتا ہوں"۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا"۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد سلمان دو نوجوانوں کی رفاقت میں سرائے کا رخ کر رہا تھا۔ تنگ گلی سے نکل کر ایک کشادہ سڑک پر اسے جگہ جگہ ان لوگوں کی ٹولیاں دکھائی دیں جو ابوعبداللہ اور ابوالقاسم کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں سے استفسار پر اسے معلوم ہوا کہ شہر غداروں کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے الحمرا کے دروازے کے سامنے جمع ہو رہے ہیں۔

سرائے کے قریب کشادہ چوک میں پہنچ کر اسے ایک بڑا جلوس دکھائی دیا۔ اور اس نے اپنے ساتھیوں سے اجازت لیتے ہوئے کہا "اب آپ تکلیف نہ کریں۔ مجھے اس سے آگے راستہ معلوم ہے"۔

چند منٹ بعد وہ سرائے کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو عثمان وہاں کھڑا تھا۔ اس نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا "جناب! میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ سرائے کا مالک بھی آپ کے متعلق بہت پریشان تھے۔ وہ مجھے حکم دے گئے تھے کہ آپ کی واپسی تک دروازے پر کھڑا رہوں"۔

"وہ کہاں گئے ہیں؟"

"وہ حامد بن زہرہ کی تقریر سننے کے لیے البیسین گئے تھے اور اب شاید کسی جلوس

میں شامل ہو کر الحمر پہنچ گئے ہوں۔ لیکن وہ زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہریں گے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اتنی دیر سے آئیں گے تو میں بھی الیسین ضرور جاتا۔ آپ تقریر سن کر آ رہے ہیں نا؟"

"نہیں مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی تقریر نہیں سن سکا"۔

"بیٹے! آپ رات یہیں رہیں گے نا؟"

سلمان نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ مجھے یہاں رات گزارنی پڑے لیکن ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا۔ مجھے ایک اور ساتھی کا انتظار ہے۔ جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے مشورے پر عمل کروں گا"۔

وہ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد صحن میں داخل ہوئے اور عثمان نے ایک نوکر کو آواز دے کر کہا "تم مہمان کے ہاتھ دھلا کر انہیں اوپر لے جاؤ۔ میں ان کے لیے کھانا لاتا ہوں"۔

سلمان نے کہا "کھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف وضو کے لیے پانی لے آؤ!"

عثمان نے کہا "جناب! سرائے کا مالک آپ کے لیے اپنے گھر میں کھانا تیار کرنے کا حکم دے گئے تھے۔ آپ تھوڑا بہت ضرور کھا لیں ورنہ ان کی دل شکنی ہوگی اور گھر والوں کو بھی اس بات کا افسوس ہوگا۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔ اس کے بعد کھانا لے آؤں گا۔ آیئے! میں آپ کو غسل خانہ دکھا دوں"۔

سلمان اس کے ساتھ چل دیا۔

☆☆☆

بالائی منزل کا وہ کمرہ جس میں سلمان کو ٹھہرایا گیا تھا۔ ڈیوڑھی کے عین اوپر تھا اور اس کا ایک دریچہ باہر کی سڑک کی طرف کھلتا تھا۔ عثمان اس کے لیے ایک خوبصورت قالین بچھا کر باہر نکل گیا۔

سلمان نماز کے لیے کھڑا ہوا تو اسے کچھ دیر سڑک کی طرف تھوڑے

وقفے کے بعد گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ نماز سے فارغ ہو تو سڑک کی جانب سے چند آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے اٹھ کر دریچہ کھول دیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ چند آدمی سڑک کے پار کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک آدمی کہہ رہا تھا "بھائی! وہ غدار تھے اور مجھے یقین ہے کہ وہ شہر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ دیکھو وہ سیدھے دروازے کا رخ کر رہے ہیں"۔

دوسرے آدمی نے کہا "بھائی! غدار اب کئی دن اپنے گھروں سے باہر نکلنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ممکن ہے کہ وہ حامد بن زہرہ کے ساتھی ہوں اور انہیں کسی مہم پر بھیجا گیا ہو!"

تیسرا بولا "حامد بن زہرہ کے ساتھ اتنے بزدل نہیں ہو سکتے کہ وہ غرناطہ کی سڑکوں پر بھی اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے کی کوشش کریں اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دروازے کے محافظ ان کے لیے رات کے وقت دروازے کھول دیں"!

چوتھے نے کہا "آج حامد بن زہرہ کے کسی ادنیٰ غلام کے لیے بھی شہر کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔ پہرے داروں کو یہ معلوم ہے کہ اب حالات بدل چکے ہیں۔ اگر وہ غدار ہوتے تو انہیں اس دروازے سے باہر جانے کی بجائے سینٹا فے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ انہیں صرف فرڈیننڈ ہی پناہ دے سکتا ہے"۔

پھر ایک اور آواز سنائی دی "بھئی! اب تم فضول وقت ضائع کر رہے ہو۔ چلو الحمرا چلیں"۔

"چلو!"

☆☆☆

سلمان دریچہ بند کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ عثمان دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا تو اس نے کھانے کا طشت اس کے سامنے چھوٹی سی میز پر رکھ دیا۔

سلمان نے پوچھا "عثمان! تم نے سڑک پر چند سوار دیکھے تھے؟"

"ہاں! میں نے سرائے سے نکلتے ہی تین ٹولیاں دیکھی تھیں۔ ان کی مجموعی تعداد بیس کے لگ بھگ تھی وہ سب اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ اگر رات نہ ہوتی تو میں ان میں سے کسی نہ کسی کے گھوڑے کو ضرور پہچان لیتا۔ میں نے آپ کی آمد سے کچھ دیر پہلے بھی آٹھ دس سواروں کو شہر کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا تھا"۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ وہ کسی مہم پر گئے ہوں اور پہرے داروں نے ان کے لیے شہر کا دروازہ کھول دیا ہو"؟

عثمان نے جواب دیا "یہ بات مجھ کو بھی کچھ عجیب سی لگتی ہے رات کے وقت صرف ان لوگوں کے لیے دروازہ کھولا جاتا ہے جن کے پاس یا تو پولیس کا اجازت نامہ ہو یا پہرے داروں کے کسی افسر کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم ہوں۔ لیکن آج تو دن کے وقت بھی انہوں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اگر راستے میں ہماری ملاقات نہ ہوتی اور آپ سرائے کے مالک کو میرے متعلق اطلاع نہ دیتے تو شاید مجھے اب تک وہاں ہی رکنا پڑتا"۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ اگر مجھے اچانک شہر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو عبدالمنان میری مدد کر سکتا ہے"۔

"ہاں! پہرے داروں کا سالار انہیں جانتا ہے اور آج ان کی بدولت میرے علاوہ کئی دوسرے لوگ بھی شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تھی"۔

سلمان نے کہا "کیا تم یہ معلوم کر سکتے ہو کہ جو سوار ابھی یہاں سے گزرے تھے ان کے لیے شہر کا دروازہ کھولا گیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ حکومت کے آدمی تھے تو شاید پہرے دار تمہیں کچھ نہ بتائیں لیکن ممکن ہے کہ آس پاس کسی نے انہیں دروازے سے نکلتے دیکھ لیا ہو"!

''اگر یہ ضروری ہے تو میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں''۔

''تم میرا گھوڑا لے جا سکتے ہو''۔

''نہیں جناب! گھوڑے کی ضرورت نہیں میں ابھی آتا ہوں''۔

عثمان بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور سلمان نے کھانے کے چند نوالے حلق میں اتارنے کے بعد کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد سے دور بادلوں کی گرج سنائی دے رہی تھی۔

عبدالمنان کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا ''خدا کا شکر ہے کہ آپ آگئے۔ میں نے شام تک آپ کا انتظار کیا تھا۔ پھر میں نے یہ سوچا کہ شاید آپ حامد بن زہرہ کی تقریر سن کر واپس آئیں''۔

''مجھے ان کی تقریر سننے کا موقع نہیں ملا''۔ سلمان نے جواب دیا۔

عبدالمنان نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا ''یہ تقریر آپ کو ضرور سننی چاہیے تھی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں ان کی زبان سے موسیٰ بن ابی غسان کی پکار سن رہا ہوں۔ انہوں نے ایک ڈوبتی کشتی کے ملاح کا آخری فرض ادا کر دیا ہے''۔

''کیا آپ کو یہ توقع ہے کہ اس تقریر کے بعد اہل غرناطہ سنبھل جائیں گے؟''

عبدالمنان نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد جواب دیا ''سردست اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ جہاں تک عوام کو جھنجھوڑنے اور مستقبل کے خطرات سے خبردار کرنے کا تعلق تھا۔ وہ اپنا فرض پورا کر چکے ہیں۔ تاہم ان کی تقریر کے دوران مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر ایک فرد ایک قوم کے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکتا تو اہل غرناطہ کے سامنے موسیٰ بن ابی غسان کی تقریریں بے اثر ثابت نہ ہوتیں۔ آہ! کتنی پر درد آواز میں انہوں نے کہا تھا:

''ہمیں اپنی آزادی اور اپنی آئندہ نسلوں کی بقا سے زیادہ اپنی دولت، اپنی زمینوں، اپنے مکانوں اور باغوں سے محبت

ہے۔ آزادی کے تڑپتے ہوئے چراغ اس خون سے جل رہے ہیں
جس کی فراوانی سے ہمارے اسلاف نے اس زمین کو
صدیوں کی بہاریں عطا کی تھیں۔ لیکن یہ ہمارا خون
آنسوؤں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور آنسوؤں میں
زندگی کی کوئی چمک نہیں ہے۔

اگر حامد بن زہرہ چند ہفتے پہلے یہاں پہنچ جاتے اور ہمیں سرحدی ممالک کی طرف سے اعانت کے متعلق کوئی حوصلہ افزا پیغام دے سکتے تو بھی اہل غرناطہ کے سینوں میں زندگی کے ولولے بیدار کر دینا ایک معجزہ ہوتا لیکن اب تو شاید موہوم امیدوں کا سہارا لینے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ ہم دشمن کو اس بات کی اجازت دے چکے ہیں کہ وہ اپنا خنجر ہماری گردن پر رکھ دے۔ اب ہم اپنے آپ کو یہ فریب دے رہے ہیں کہ شاید ہماری شاہ رگ بچ جائے یا شاہ رگ کٹ جانے کے بعد بھی ہم زندہ رہ سکیں۔

ہماری اخلاقی حصار منہدم ہو چکا ہے۔ ہماری زندگی اور توانائی کے سارے چشمے زہر آلود ہو چکے ہیں۔

آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں غرناطہ کے امن پسندوں کا طرفدار ہوں۔ میرے گھرانے کے تین آدمی شہید ہو چکے ہیں۔ اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرا ایک بھائی متارکہ جنگ کے معاہدے سے دل برداشتہ ہو کر ان مجاہدین سے جا ملا تھا جنہوں نے چاروں طرف سے گھر جانے کے باوجود اپنی آزادی کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اس نے ذلت کی زندگی کے مقابلے میں عزت کی موت کا راستہ منتخب کیا ہے۔ لیکن میں اس سے مختلف ہوں۔ میں صرف زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

حالات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جس قوم کی باگ ڈور ابو عبداللہ اور ابو القاسم جیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جس کے اکابر نے اس خوف سے بچنے

چار سو فرزندوں کو یرغمال کے طور پر دشمن کے حوالے کر دیا ہو کہ وہ لوگ نہیں دوبارہ جنگ شروع کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔ اس کے دل میں صرف زندہ رہنے کی خواہش بھی غنیمت ہے۔

مسلمانانِ اندلس کی تاریخ کے آئندہ چند دن بہت نازک ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ حامد بن زہرہ کی تقریر ہمارے لیے قدرت کی طرف سے آخری تنبیہ نہ ہو۔ اس تقریر کے بعد ان کے لیے غرناطہ کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہوگا۔ قوم کے غدار انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے کسی اقدام سے گریز نہیں کریں گے اور اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آ گیا تو وہ خوفناک عذاب شروع ہو جائے گا جس کے آثار ظاہر ہیں۔

جلسہ کے اختتام کے بعد میں نے جن دوستوں سے گفتگو کی ہے وہ سب اس بات سے پریشان تھے کہ اہل غرناطہ بیک وقت اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے کیسے لڑیں گے۔ کسی قوم کے لیے اس سے بڑا عذاب اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی آزادی کے محافظ دشمن کی فوج کا ہراول دستہ بن جائیں"۔

عبدالمنان کچھ دیر اور غداران قوم کی سازشوں کے حالات بیان کرتا رہا۔ بالآخر اس نے اٹھتے ہوئے کہا:

"معاف کیجیے! میں یہ بھول گیا تھا کہ آپ ایک مہمان ہیں اور میری حیثیت ایک سرائے کے مالک سے زیادہ نہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے الحمرا تک جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اہل غرناطہ کا جوش و خروش دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ بھی میرے ساتھ چلیں"۔

سلمان نے جواب دیا "آپ تھوڑی دیر ٹھہریں میں نے عثمان کو کسی کام سے بھیجا ہے۔ مجھے یہاں ایک آدمی کا انتظار ہے"۔

عبدالمنان دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد عثمان ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا
"جناب! وہ شہر سے نکل گئے ہیں"۔
"شہر سے کون نکل گئے ہیں"؟ عبدالستان نے پوچھا۔
عثمان جواب دینے کی بجائے سلمان کی طرف دیکھنے لگا اور اس نے مختصر نقاب پوش سواروں کے متعلق بتا دیا۔
عبدلمنان نے کہا "اگر یہ سوار حریت پسندوں سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں حامد بن زہرہ نے کسی مہم پر بھیجا ہے تو ہمیں ان کا پتا لگانے میں دیر نہیں لگے گی لیکن اگر وہ حکومت کے جاسوس ہیں تو اس وقت ان کے شہر سے باہر نکلنے کی صرف دو وجوہات میری سمجھ میں آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ انہیں پہاڑی قبائل کو حامد بن زہرہ کا ساتھ دینے سے منع کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اور دوسری یہ کہ حکومت حامد بن زہرہ کا راستہ روکنا چاہتی ہے لیکن پندرہ بیس آدمیوں کے لیے جنوب کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کرنا آسان نہیں ہوگا"۔
سلمان نے کہا "لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس مقصد کے لیے حکومت اب تک دوسرے دروازوں سے کئی اور دستے باہر بھیج چکی ہو۔ آج سارا دن صبح کے حامی بیکار نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اس لیے حامد بن زہرہ کو یہ بتانا ضروری ہے وہ اپنی حفاظت کے تسلی بخش انتظامات کیے بغیر سفر کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے"۔
عبدلمنان نے اٹھ کر کہا "مجھے اجازت دیجیے"۔
"آپ کہاں جا رہے ہیں"؟
"مجھے اندیشہ ہے کہ وہ صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس لیے انہیں خبردار کرنا ضروری ہے"۔
"آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں"؟
"نہیں میں نے عمداً ان کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ

میں حکومت کے جاسوسوں کو اپنے پیچھے لگانے کا خطرہ مول نہیں لے سکا۔ لیکن میرا پیغام ان تک ضرور پہنچ جائے گا۔ میں کسی ایسے دوست کو تلاش کر سکوں گا جسے ان کی جائے قیام کا علم ہو"۔

"مجھے معلوم نہیں کہ وہ آپ کے پیغام کو کتنی اہمیت دیں گے لیکن اگر آپ مجھے ان کے پاس پہنچا دیں تو یہ مسئلہ بہت آسان ہو جائے گا"۔

"بہت اچھا میں کوشش کروں گا آئیے"۔

سلمان اٹھ کر عثمان سے مخاطب ہوا "تم میرا گھوڑا تیار رکھو۔ ممکن ہے کہ مجھے چاشت تک یہاں سے جانا پڑے۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا ہوا آئے تو اسے روک لینا!"

عثمان بھاگ کر باہر نکل گیا۔ چند ثانیے بعد عبدالمنان اور سلمان زینے سے اتر رہے تھے کہ انہیں ایک بگھی کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور جب وہ صحن میں اترے تو بگھی وہاں کھڑی تھی۔ اور ایک آدمی نیچے اتر رہا تھا۔

"جعفر!" سلمان نے اسے دیکھتے ہی آواز دی۔

جعفر بھاگ کر آگے بڑھا اور عبدالمنان کو سلام کے بعد سلمان سے مخاطب ہوا "وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ کل آپ کے ساتھ گاؤں پہنچ جاؤں۔ میں نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ تیار رہیں"۔

سلمان نے کہا "ہم ان کی تلاش میں جا رہے تھے۔ اب تم مجھے کسی تاخیر کے بغیر ان کے پاس پہنچا دو!"

"لیکن وہ تو ....!"

سلمان نے مضطرب ہو کر کہا "اب ان باتوں کا وقت نہیں، جلدی کرو! اگر وہ کہیں دور ہیں تو ہم اس بگھی پر جا سکتے ہیں۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ تم سے خفا نہیں ہوں گے"۔

جعفر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا "جناب اب غرناطہ

میں ان سے آپ کی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہ یہاں سے جا چکے ہیں"۔

"کہاں؟"

"انہوں نے نہیں بتایا۔ ان کی اچانک روانگی میرے لیے بھی ایک معمہ تھی جب میں آپ سے مل کر واپس گیا تو میزبان اپنے گھر میں نہیں تھے۔ ایک ملازم مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ الحمرا کی طرف جا چکے ہیں"۔

"الحمرا کی طرف؟"

"ہاں! انہیں اطلاع ملی تھی کہ مظاہرین بے قابو ہو چکے ہیں اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ قصر امارت کو آگ لگا دیں گے۔ وہ مظاہرین کو سمجھانے گئے تھے اور جو لوگ ان سے ملاقات کے لیے آئے تھے وہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے تھے اور ان میں سے کوئی میرا گھوڑا بھی لے گیا ہے۔ میں نے پیدل ان کا پیچھا کیا۔ وہ الحمرا کے دروازے کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ عوام کا جوش و خروش ٹھنڈا کرنے اور ان سے پرامن رہنے کا وعدہ لینے کے بعد وہ مسلح رضا کاروں کے پہرے میں وہاں چل دیے۔ ہزاروں مظاہرین ایک جلوس کی شکل میں ان کے پیچھے چل پڑے۔ میں بڑی مشکل سے ان کے قریب پہنچا لیکن اتنی دیر میں مسلح رضا کار ہجوم کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ پھر جب میں نے دہائی دی کہ میں ان کا نوکر ہوں تو انہوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ تھوڑی دور آگے سڑک پر دو بگھیاں کھڑی تھیں اور وہ ان پر سوار ہو رہے تھے۔ میں بھاگ کر پچھلی بگھی پر سوار ہو گیا۔ آقا تین آدمیوں کے ساتھ اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کا ذکر چھیڑا تو معلوم ہوا کہ سعید انہیں سب کچھ بتا چکا ہے"۔

"سعید ان کے ساتھ تھا؟"

"نہیں وہ اگلی بگھی پر تھا۔ آقا کے ساتھ ولید کے سوا باقی وہ آدمی میرے لیے اجنبی تھے"۔

"تمہید کی ضرورت نہیں۔ خدا کے لیے مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کہاں گئے ہیں؟"

"جناب جب وہ مشرقی دروازے پر پہنچے تو پہرے داروں نے کچھ پوچھے بغیر دروازہ کھول دیا۔ سات گھوڑے دروازے کے باہر کھڑے تھے ورنہ ان میں میرا گھوڑا بھی تھی۔ اس پر ولید سوار ہوا تھا اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اس کے بدلے میرے گھر سے گھوڑا لے سکتے ہو"۔

سلمان نے مڑ کر عثمان کی طرف دیکھا جو چند قدم دور ایک نوکر کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ جاؤ میرا گھوڑا لے آؤ"۔

"جناب! ابھی لاتا ہوں"۔ عثمان نے اصطبل کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" جعفر نے پوچھا۔

سلمان نے تلخ ہو کر کہا "یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم میرے اس سوال کا جواب دو کہ تم الحمرا تک ان کا پیچھا کرنے کے بجائے میرے پاس کیوں نہ آئے! کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں انہیں کسی خطرے سے آگاہ کرتا تو وہ میری بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے! اب صاف صاف بات کرو۔ وہ کہاں گئے؟"

"جناب! میں نے ان سے پوچھا تھا لیکن انہوں نے مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ تم مہمانوں کے ساتھ گاؤں پہنچ جاؤ۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ مظاہرین کے سامنے تقریر کرنے کے بعد شہر سے باہر نکل جائیں گے اور ان کے گھوڑے بھی دروازے سے باہر نکل چکے ہوں گے۔ میں نے روکنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن ان کے ارادے ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں"۔

عبداللہ نے کہا "اس وقت جعفر کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں غداروں کے متعلق کوئی خوش فہمی نہ تھی اور مشرقی دروازے سے باہر نکلنے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے کہ ان کے ساتھ ہر سازش سے پوری طرح خبردار تھے۔

مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسا راستہ اختیار کریں گے۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو گاؤں میں پہنچنے کی ہدایت کی ہے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ قبائلی علاقوں کا دورہ کرنے سے پہلے وہاں جانے کی کوشش کریں اور اب شاید بارش بھی آ رہی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ رک جائیں!"

سلمان نے کہا "میں صرف ایک راستے سے واقف ہوں اور یہی وہ رستہ ہے جو میری نگاہ میں ان کے لیے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت میرے لیے شہر سے باہر نکلنے کے امکانات کیا ہیں؟"

عبدلستان نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر آئیں۔ میں اس بگھی پر جاتا ہوں اور جنوبی دروازے پر آپ کا انتظار کروں گا۔ اگر پہرے دار آپ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیں تو آپ کسی سے بات کیے بغیر آگے نکل جائیں۔ ورنہ واپس آ جائیں"۔

"واپس؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں شہر کے دوسرے دروازوں پر قسمت آزمائی کرنی پڑے گی"۔ سلمان نے اپنی قبا کے اندر ہاتھ ڈال کر تھیلی نکالی اور عبدلستان کو پیش کرتے ہوئے کہا:

"یہ لیجیے اس تھیلی میں سو اشرفیاں ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو ان کی ضرورت پیش آئے!"

"نہیں! یہ اپنے پاس رکھیے اور صرف دعا کیجیے کہ جن افسروں کو میں جانتا ہوں ان میں سے کوئی دروازے پر موجود ہو"۔

سلمان نے کہا "مجھے ایک اچھی کمان اور چند تیروں کی ضرورت ہے"۔

سرائے کے مالک نے دوسرے نوکر کو اپنے گھر سے ترکش اور کمان لانے کا حکم دیا اور جلدی سے بگھی کی طرف بڑھا۔ جعفر نے بھاگ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا

"اگر آپ کہیں سے دوسرے گھوڑے کا انتظام ہو سکے تو میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ ورنہ آپ پہرے داروں سے یہ کہہ دیں کہ ایک آدمی ان کے پیچھے آ رہا ہے۔ میں تھوڑی دیر تک ولید کا گھوڑا لے کر دروازے پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر راستے میں کوئی خطرہ ہے تو ان کا تنہا سفر کرنا ٹھیک نہیں۔ میں چند اور آدمی بھی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ الحمر کے سامنے ہزاروں مظاہرین موجود ہوں گے۔ اور مجھے وہاں جا کر صرف آواز دینے کی ضرورت پیش آئے گی"۔

عبدالمنان نے کہا "تم میرا گھوڑا لے سکتے ہو لیکن وہ اتنا سست رفتار ہے کہ تم اس پر سوار ہو کر ان کا ساتھ نہ دے سکو گے اور کوئی دوسرا انتظام کرنے میں بہت دیر لگ جائے گی۔ تم انہیں روکنے کی کوشش نہ کرو"۔

سلمان غصے کی حالت میں آگے بڑھا اور اس نے کہا "جعفر! خدا کے لیے مجھے جانے دو۔ جن لوگوں سے انہیں کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے وہ تمہارے یا الحمر کے مظاہرین کا انتظار نہیں کریں گے۔ میں تمہارے لیے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کر سکتا"۔

جعفر شکست خوردہ سا ہو کر سلمان کی طرف دیکھنے لگا اور عبدالمنان بھاگ کر بگھی پر سوار ہو گیا۔

سلمان نے جعفر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تمہیں آزردہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں صرف اپنی تشویش دور کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ اگر وہ مجھے راستے میں مل گئے تو تمہاری اطلاع کے لیے یہاں کسی کو بھیج دوں گا"۔

جعفر نے کہا "جناب! مجھے ان کے بارے میں کوئی تشویش نہیں جو لوگ ان کے ساتھ گئے ہیں وہ ان کی حفاظت سے غافل نہیں ہوں گے۔ بگھی پر ان کے ساتھ میں نے دو حبشی دیکھے تھے۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ بالخصوص ایک آدمی کے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ وہ فوج کا کوئی بڑا افسر تھا۔ جب وہ بگھی سے اتر کر گھوڑے

پر سوار ہو تو پہرے داروں نے اسے سلامی دی تھی۔ مجھے زیادہ تعجب اس بات پر تھا کہ بظاہر وہ ایک عام آدمی معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں کے سوا اس کا باقی چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے باوجود پہرے داروں کو یہ معلوم تھا کہ وہ کون ہے؟ میں ایسے لوگوں کی رفاقت میں اپنے آقا کے متعلق قطعاً فکر مند نہیں ہوں۔ مجھے صرف اس بات کی فکر ہے کہ آپ تنہا جا رہے ہیں"۔

"تمہیں میری فکر نہیں کرنی چاہیے۔ انشاء اللہ! میں تمہارے گاؤں کا راستہ نہیں بھولوں گا"۔

چند منٹ بعد سلمان گھوڑے پر سوار ہو کر سرائے سے باہر نکلا تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ سڑک سنسان تھی اور اس کا گھوڑا سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اسے بتی دکھائی دی۔ پھر ڈیوڑھی کے اندر مشعل کی روشنی میں اسے عبدالمنان چار مسلح آدمیوں کے ساتھ کھڑا دکھائی دیا جن میں سے ایک پہرے داروں کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ ان کے پیچھے دو آدمی باہر کا بھاری دروازہ کھول رہے تھے۔ سلمان چند ثانیے ڈیوڑھی کے سامنے رکا۔ پھر جب دروازہ کھل گیا اور مسلح آدمی ایک طرف ہٹ گئے تو افسر نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

سلمان نے ایک ثانیہ کے لیے گھوڑا روکا۔ پھر اس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دی۔ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد اس نے مڑ کر دیکھا تو پہرے داروں کا افسر اسے ہاتھ کے اشارے سے الوداع کہہ رہا تھا۔ سلمان نے بلند آواز میں خدا حافظ کہا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

☆☆☆

حامد بن زہرہ کی شہادت

بارش ہر لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ چند منٹ پوری رفتار سے گھوڑا بھگانے کے بعد سلمان اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں دائیں بائیں جانب سے دو راستے سڑک سے ملتے تھے۔

اس نے چند ثانیے گھوڑا روک کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر اسی رفتار سے آگے چل دیا۔

قریباً ایک میل طے کرنے کے بعد اسے گھوڑوں کی ٹاپ اور ہنہناہٹ سنائی دی۔ اس نے جلدی سے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور سڑک سے اتر کر ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ آن کی آن میں دو گھوڑے پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے آگے نکل گئے اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ ان پر سوار نہیں ہیں۔ پھر بجلی کی چمک نے بھی اس خیال کی تصدیق کر دی۔

اب تک وہ اپنے دل کو تسلی دیتا آیا تھا کہ شاید حامد بن زہرہ نے دوسرے دروازے سے باہر نکل جانے کے بعد اپنے گاؤں جانے کا ارادہ بدل دیا ہو یا گاؤں جانے کے لیے اس سڑک کی بجائے کوئی اور راستہ اختیار کیا ہو لیکن خالی گھوڑوں کو بدحواسی کی حالت میں شہر کی طرف بھاگتے دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ عام حالات میں حامد بن زہرہ یا اس کے بیٹے کو گھوڑوں کو اپنے سواروں سے محروم ہونے کے بعد گاؤں کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے کہ ان گھوڑوں سے گرنے والے ان کے دشمن یا حامد کے وہ ساتھی ہوں جو غرناطہ سے ان کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا ہو اور حامد کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا ہو۔ وہ موہوم امیدوں کا سہارا لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے گھوڑے کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔

پھر اچانک اسے چند اور گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ سامنے سڑک کے نشیب کا

کچھ حصہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بجلی چمکی اور اسے دائیں ہاتھ درخت و ریک شکستہ مکان دکھائی دیا۔ وہ باگ موڑ کر گھوڑے کو مکان کے پیچھے لے گیا۔ پھر جلدی سے نیچے تر و ر گھوڑے کو یک درخت کے ساتھ باندھ کر بھاگتا ہو سڑک سے قریب ترین درخت کی وٹ میں کھڑا ہو گیا۔

چند ثانیے کے بعد اسے بجلی کی چمک میں چھ سوار دکھائی دیے۔ سڑک پر بہتے ہوئے پانی میں چانک انہوں نے گھوڑے روک لی اور ان کی آو زیں سنائی دینے لگیں لیکن بارش کے شور میں وہ ان کی گفتگو نہ سن سکا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ سڑک کے نشیب کے درمیانی حصے میں پانی اتنا گہرا تھا ور گھوڑے یک قطار میں سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے۔ پانی عبور کرنے کے بعد وہ پھر سڑک پر رک گئے۔ ب وہ سلمان کے تنے قریب تھے کہ بارش کے باوجود سے ان کی آو زیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

یک سو ر بلند آو ز میں کہہ رہا تھا "ہم بلاوجہ اس بارش میں خو ر ہو رہے ہیں۔ ب تک وہ غرناطہ پہنچ چکے ہوں گے اور وہاں ان پر ہاتھ ڈالنے کا سو ل ہی پید نہیں ہوتا"۔

دوسرے آدمی نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ اگر وہ شہر میں د خل ہو گئے تو ہم ر نجام کیا ہو گا؟"

تیسر بولا "خد کے لیے اب یہ دعا کرو کہ پہرے د ر ن کے سے درو زہ نہ کھولیں ورنہ شہر میں کہرام مچ جائے گا"۔

"جب وہ درو زے پر دہائی دیں گے کہ حامد بن زہرہ کے قاتل ہم ر پیچھا کر رہے ہیں تو پہرے د ر نہیں روکنے کی جرات نہیں کریں گے۔ بلکہ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں ک وہ ہمیں پکڑ کر مشتعل لوگوں کے حوالے کر دیں گے"۔

"بھائی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ پہرے داروں نے انہیں ہمارے ساتھ سمجھ کر کی

حیل و حجت کے بغیر دروازہ کھول دیا ہو اور جب ہم وہاں پہنچیں تو شہر کے لوگ دروازے پر ہمارے منتظر ہوں۔ اب ہمارا انجام کسی صورت میں بھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ حامد بن زہرہ کا راستہ روکنے کے لیے جا رہے ہیں تو میں کبھی ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اب یہ کون مانے گا کہ ہم جن لوگوں کے ساتھ آئے تھے وہ ہمارے لیے اجنبی تھے اور ہمیں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ انہیں کسی دشمن کو گرفتار کرنے کے لیے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ تم سب اس بات کے گواہ ہو کہ میں نے تمہیں تیر چلانے سے منع کیا تھا"۔

"جناب! آپ نے ہمیں اس وقت منع کیا تھا جبکہ ہمارے تیر کمانوں میں سے نکل چکے تھے اور پانچ آدمی ڈھیر ہو چکے تھے۔ اب ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہمیں تاریکی میں یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ ہمارے تیروں کا ہدف حامد بن زہرہ ہے۔ ایک دوسرے پر الزام دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم کسی طرح بچ کر اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اگر آپ کو یہ خدشہ ہے کہ وہ شہر میں داخل ہو چکے ہیں تو ہم دروازے سے کچھ دور رک کر حالات کا جائزہ لیں گے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔ پھر اگر ہمارے دوسرے ساتھی واپس آ گئے تو ممکن ہے ہمیں ان کی مدد سے شہر میں داخل ہونے کا موقع مل جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوتوال پہرے داروں پر اعتماد نہ کرے۔ اور بذات خود دروازے پر ہمارا انتظار کر رہا ہو۔ اب باتوں کا وقت نہیں چلو"۔

سلمان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ حامد بن زہرہ یا اس کے ساتھیوں میں سے کم از کم دو آدمی اپنے گھوڑوں سے گرنے کے بعد ان کے ہاتھ نہیں آئے اور یہ ان گھوڑوں کے فرضی سواروں کا پیچھا کر رہے ہیں جنہیں اس نے تھوڑی دیر قبل بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ معاً اسے یہ خیال آیا کہ اگر گھوڑوں سے محروم ہونے والے زخمی کہیں چھپ گئے ہیں تو پیچھا کرنے والوں کو غرناطہ کے دروازے پر پہنچتے ہی یہ

معلوم ہو جائے گا کہ وہ خالی گھوڑوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ پھر غداروں کی ایک پوری فوج ان کی تلاش کے لیے نکل کھڑی ہو گی۔ اس کے نزدیک حامد بن زہرہ اور اس کے ساتھیوں کو بھاگنے کا موقع دینے کی یہی ایک صورت تھی کہ ان لوگوں کو غرناطہ کے باہر مصروف رکھا جائے۔ چنانچہ جونہی اگلے سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی سلمان نے تیر چلا دیا زخمی کی چیخ یہ گواہی دینے کے لیے کافی تھی کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے اس سے قبل کہ باقی سوار اپنی بدحواسی پر قابو پاتے سلمان دو اور تیر چلا چکا تھا۔

چند ثانیے پانی اور کیچڑ میں بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی آہٹ اور سواروں کی چیخ و پکار سنائی دیتی رہی۔ پھر بجلی چمکی اور سلمان کو قریب ہی ایک زخمی پانی میں بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک آدمی کہیں دور سے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ سلمان نے اطمینان سے اپنا گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہو کر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آن کی آن میں گھٹنے گھٹنے پانی میں بھاگنے والے آدمی کے سر پر جا پہنچا اور بلند آواز میں چلایا:

”ٹھہرو اب تم بچ کر نہیں جا سکتے“۔

زخمی نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔

”مجھ پر رحم کرو میں زخمی ہوں“۔

سلمان نے کہا ”تم خاموشی سے میرے آگے آگے چلتے رہو“۔

زخمی کچھ کہے بغیر اس کے آگے چل پڑا۔ بہتا ہوا پانی عبور کرنے کے بعد سلمان نے کہا ”اپنے ہتھیار پھینک دو۔ اب تمہارے ساتھی تمہاری مدد کو نہیں آسکیں گے“۔

زخمی نے ہتھیار پھینک دیے اور خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا

”خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو میں نے کوئی جرم نہیں کیا“۔

سلمان نے جواب دیا ”حامد بن زہرہ کے قاتل کسی رحم کے مستحق نہیں ہو سکتے“۔

زخمی چلایا "میں نے مجبوری کی حالت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ سب اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں نے حملے میں بھی حصہ نہیں لیا تھا۔ آپ کے بچ نکلنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو تیر چلانے سے منع کر دیا تھا"۔

سلمان کو یہ جاننے کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ تھی کہ زخمی اسے حامد بن زہرہ کے ان ساتھیوں میں سے ایک سمجھتا ہے جو غداروں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گئے ہیں اور اس کا خیال بھی یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ کہ اس نے راستے میں جو گھوڑے دیکھے تھے ان کے سوار زخمی حالت میں کہیں آس پاس چھپے ہوئے ہیں۔

معاً اس کے ذہن میں یہ تدبیر آئی اور اس نے کہا:

"جن آدمیوں کا تم پیچھا کر رہے تھے وہ ہمیں غرناطہ کے قریب مل گئے تھے اور اب تک شہر کی آدھی آبادی ان کے گرد جمع ہو چکی ہے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہمیں حامد بن زہرہ کے قتل کی سازش کا دیر سے علم ہوا۔ تم جیسے آدمی پر رحم کرنا گناہ ہے لیکن اگر تم حامد بن زہرہ کے متعلق سچ سچ بتا دو تو میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں۔"

زخمی نے پر امید ہو کر کہا "آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں اور میرا وعدہ ایک غدار اور دین کے دشمن کا وعدہ نہیں"۔

"آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟" زخمی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

سلمان نے گرج کر کہا "تمہیں صرف میرے سوالات کا جواب دینا چاہیے اور یاد رکھو اگر تمہارا کوئی جواب غلط ہوا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں حملہ کس جگہ ہوا تھا؟"

زخمی نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا "قلعے کے قریب نالے کے پل کی اس طرف"۔

"حامد بن زہرہ قتل ہو چکے ہیں؟"

"ہاں!"

"ورن کا بیٹا سعید؟" سلمان نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ ان کے ساتھ تھا تو ممکن ہے کہ وہ بچ کر نکل گیا ہو"۔

"تم نے کتنے آدمیوں کو قتل کیا تھا؟"

"ہم نے جو لاشیں دیکھی تھیں ان کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے دو ہمارے ساتھی تھے لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے جوابی حملے میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا"۔

سلمان نے گرج کر کہا "تم جھوٹ بولتے ہو"۔

"خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بولتا۔ حامد بن زہرہ کے قاتل میرے ساتھی تھے"۔

"ہمیں غرناطہ سے روانہ ہونے سے پہلے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہم حامد بن زہرہ کا راستہ روکنے جا رہے ہیں۔ کوتوال نے ہمیں صرف یہ بتایا تھا کہ شہر کے چند رضا کار کسی خطرناک مجرم کی تلاش میں جا رہے ہیں اور انہیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم وردیوں کے بجائے سادہ لباس میں شہر سے نکلو اور جنوبی دروازے کے باہر ان کا انتظار کرو۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ ہم چوکی سے نکلتے ہی اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیں۔ جب ہم دروازے سے باہر نکلے تو تھوڑی دیر بعد بیس مسلح نقاب پوش وہاں پہنچ گئے۔ پھر ان کے راہنما نے ہمیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ٹولی جنوب مشرق کی طرف روانہ ہو گئی اور میرے تین ساتھی ان میں شامل ہو گئے۔ ہم تیرہ رضا کاروں کے ہمراہ اس راستے پر ہو لیے"۔

سلمان نے مضطرب ہو کر کہا "بیوقوف! میرے پاس یہ تفصیلات سننے کے لیے وقت نہیں ہے تم مختصراً بیان کرو"۔

"جناب! آپ پورا واقعہ سننے کے بغیر یقین نہیں کریں گے کہ میں سچ کہہ رہا

ہوں۔ ہم پل کے قریب پہنچے تو بارش زوروں پر تھی۔ رضاکاروں کے رہنما نے پانچ آدمیوں کو یہ حکم دیا کہ وہ تمام گھوڑے پل کے پار لے جائیں اور باقی سڑک کے دونوں کناروں پر جھاڑیوں اور پتھروں کے نیچے چھپ کر اس کے حکم کا انتظار کریں۔ پھر ہمیں ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ جب پل کے قریب پہنچے تو اچانک کسی کی آواز آئی "ٹھہریے آگے مت جائیے"۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے رہنما نے تیر چلانے کا حکم دیا۔ میرا خیال ہے کہ پانچ آدمی تیروں کی پہلی بوچھاڑ پر گر پڑے تھے۔ پھر اچانک ایک سوار جو پیچھے تھا سڑک سے اتر کر تیر اندازوں کے عقب میں پہنچ گیا اور اس نے آنکھ جھپکنے میں ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دیا پھر بجلی کی چمک کے ساتھ مجھے باقی دو سوار سڑک سے مغرب کی سمت بھاگتے ہوئے دکھائی دیے۔ ایک سوار زین پر جھکا ہوا تھا اور دوسرے نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ زخمی تھا۔ اچانک تیسرا سوار جس نے دائیں طرف سے حملہ کر کے ہمارے ایک ساتھی کو قتل کیا تھا ایک سڑک عبور کر کے بائیں طرف پہنچ گیا۔ اگر میں اپنے ساتھیوں کو تیر چلانے سے منع نہ کرتا تو اس کا بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ ہمیں ان دردوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر ان تین آدمیوں میں سے کوئی بچ کر نکل گیا تو کوتوال تمہاری گردنیں اڑوا دے گا"۔

سلمان نے کہا "تمہیں اپنی وکالت کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے نیک ہو۔ میں تم سے حامد بن زہرہ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں"!

"جناب! وہ قتل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بجلی کی چمک میں ان کی لاش پہچان لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ جب وہ گھوڑے سے گر پڑے تھے تو کسی نے ان کے سر اور سینے پر تلوار سے ضربیں لگائی تھیں۔ دو اور زخمی سسک رہے تھے۔ انہیں بھی قتل کر دیا گیا تھا"۔

"اور ان کی لاشیں"؟

"انہیں نالے میں پھینک دیا گیا تھا۔ اب تک شاید وہ دریا میں پہنچ چکی ہوں گی"۔

سعادت نے کہا "تم نے ایک جھوٹ بولا ہے"۔

"جناب! میں قسم کھاتا ہوں کہ لاشیں نالے میں پھینک دی گئی تھیں"۔

"بے وقوف! میں لاشوں کی بات نہیں کرتا۔ تم نے یہ کہا ہے کہ تمہارے ساتھیوں میں سے بھی دو آدمی قتل ہوئے تھے لیکن اس طرح لاشیں چھ نہیں سات ہونی چاہئیں"۔

"جناب! ساتواں آدمی اس سے پہلے قتل ہوا تھا۔ ہمارے رہنما نے گھوڑے منگوانے کے بعد حکم دیا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سڑک پر سے سیدھا غرناطہ کا رخ کروں اور خود اپنے رضا کاروں کو لے کر بائیں طرف چلا گیا تھا۔ ہم بہ مشکل سو قدم دور گئے تھے کہ ہمیں طمنچہ چلنے کی آواز کے ساتھ رضا کاروں کی چیخ پکار سنائی دی۔ ہم نے گھوڑے روک لیے اور اپنے ایک ساتھی کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آکر یہ بتایا کہ بھاگنے والوں میں سے ایک سوار پل سے تھوڑی دور جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑا تھا اور اس نے رضا کاروں میں سے ایک اور سپاہی کو ہلاک کر دیا ہے"۔

"پھر سڑک پر تم نے صرف دو سوار دیکھے تھے؟"

"ہاں! ہم نے راستے کی ایک بستی کے آگے سڑک کے موڑ پر گھوڑوں کی ٹاپ سنی تھی اور ہمارا اندازہ یہی تھا کہ وہ دو تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ تیسرے آدمی نے طمنچہ چلانے کے بعد رضا کاروں کو اپنے پیچھے لگا کر ان لوگوں کو بچ نکلنے کا موقع دیا تھا اور مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ ہم اپنا پیچھا کرنے والوں کو چکمہ دے کر سڑک پر پہنچ گئے ہیں"۔

"تمہیں اس بات کی خوشی تھی کہ اگر وہ تمہارے ساتھ آجاتے تو غدار تمہیں زیادہ

نہ رحم کا مستحق سمجھیں گے"۔

"خدا کے لیے مجھ پر اعتبار کیجیے۔ اگر ہم کوشش کرتے تو انہیں گھیر لینا مشکل نہ تھا۔ ہم صرف دکھاوے کے طور پر ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا۔ جب فاصلہ کم ہونے لگتا تھا تو ہم اپنی رفتار کم کر دیتے تھے اور جب فاصلہ زیادہ ہونے لگتا تھا تو ہماری رفتار تیز ہو جاتی تھی"۔

"تمہیں حامد بن زہرہ کے قتل کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ تمہارا راہنما کون تھا؟"

"نہیں میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ انہوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے"۔

سلمان نے کہا "تم اس جھونپڑی کے اندر چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی چھت کا کوئی حصہ سلامت ہو اور تمہیں بارش سے پناہ مل جائے۔ میں واپس غرناطہ پہنچتے ہی کسی کو تمہاری مدد کے لیے بھیجنے کی کوشش کروں گا"۔

زخمی چلایا "خدا کے لیے یہ ظلم نہ کیجیے۔ اگر غرناطہ میں کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ حامد بن زہرہ کے قاتلوں کا ساتھی ہوں تو کوتوال کے لیے بھی میری جان بچانا ممکن نہیں ہوگا۔ لوگ میری بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار ہو جائیں گے"۔

"تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں لیکن فی الحال میں غرناطہ نہیں جا سکتا۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ میں صبح تک زندہ رہوں گا"۔

"تم جیسے لوگوں کو جلدی موت نہیں آیا کرتی اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تم زخم سے کہیں زیادہ خوف کا اثر ہے۔ تم کسی رحم کے مستحق نہیں ہو لیکن میں تمہاری جان بخشی کا وعدہ کر چکا ہوں۔ تمہاری گفتگو سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ پولیس کے باقی آدمی تمہارے ماتحت تھے"۔

"جناب! میں اس بات سے بالکل انکار نہیں کرتا کہ وہ میری کمان میں غرناطہ سے روانہ ہوئے تھے لیکن شہر سے نکلنے کے بعد میری ذمہ داری صرف یہ تھی کہ میں ان سے رضا کاروں کے رہنما کے احکامات کی تعمیل کروا دوں۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ جب رضا کاروں کے راہنما نے تیر چلانے کا حکم دیا تھا تو میں اپنے ساتھیوں کو بروقت نہ روک سکا۔ لیکن اگر میں روک بھی لیتا تو بھی اس سے کوئی فرق نہ پڑتا"۔

سلمان نے کہا "میرا خیال ہے کہ تمہارے ساتھی تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر غرناطہ جانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اس لیے تم میرے آگے چلتے رہو۔ ممکن ہے تھوڑی دور آگے کہیں چھپے ہوں۔ چلو"۔

☆☆☆

زخمی بے بسی کی حالت میں سلمان کے آگے چل دیا۔ سڑک پر کوئی دو سو قدم چلنے کے بعد ایک طرف سے کسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "یحییٰ! یحییٰ! امرون!"

سلمان نے گھوڑا روکتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا "ٹھہرو! تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام یحییٰ ہے"۔

سلمان نے کہا تم زمین پر لیٹ جاؤ اور اپنے ساتھ کو اس طرف بلانے کی کوشش کرو۔ جلدی کرو ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا"۔

زخمی نے جلدی سے زمین پر لیٹ کر آواز دی "میں یہاں ہوں"۔

سلمان نے کہا "بیوقوف! پوری قوت سے چلانے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے انہیں خبردار کرنے کی کوشش کی تو میرا پہلا وار تم پر ہوگا۔ انہیں کہو کہ تم زخمی ہو اور حملہ کرنے والوں نے تمہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا"۔

زخمی گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا اور سلمان سڑک کے بائیں کنارے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ چند منٹ بعد سڑک کی دائیں جانب

کھیتوں سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ پھر گھوڑے اچانک رک گئے اور ایک آدمی نے آواز دی ''یحییٰ تم کہاں ہو؟''

''میں یہاں ہوں''۔ اس نے جواب دیا۔

''مروان کہاں ہے؟''

''مجھے معلوم نہیں''۔

''حملہ کرنے والے کہاں ہیں؟''

''مجھے معلوم نہیں شاید وہ غرناطہ پہنچ گئے ہوں۔ تم جلدی آؤ۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے''۔

ایک اور آواز سنائی دی ''وہ کتنے تھے؟''

مجھے معلوم نہیں کہ وہ کتنے تھے لیکن اگر تم تھوڑی دیر اور بکواس کرتے رہو گے تو غرناطہ سے ہزاروں آدمی یہاں پہنچ جائیں گے''۔

گھوڑوں کی ٹاپ دوبارہ سنائی دی اور آن کی آن میں چار سوار سڑک پر پہنچ گئے۔ ایک سوار نے کود کر زخمی کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''میں بار بار یہ کہتا تھا کہ ہمیں سڑک سے دور رہنا چاہیے۔ آپ کا گھوڑا ہمارے پیچھے آ گیا تھا اور ہم سے تھوڑی دور بندھا ہوا ہے''۔

دو اور سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور ان میں سے ایک نے کہا ''اب باتوں کا وقت نہیں۔ تم انہیں اپنے گھوڑے پر بٹھا کر لے جاؤ۔ ہم مروان کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ مشرق کی طرف نکل گیا تھا۔ اور ممکن ہے وہ غرناطہ کا رخ کرنے کی بجائے اپنے گاؤں پہنچ گیا ہو''۔

چوتھا آدمی جو ابھی تک اپنے گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا بولا ''پہلے یہ فیصلہ کر لو کہ ہم کو کہاں جانا ہے''۔

جھاڑیوں کی اوٹ سے آواز آئی ''اب تم کہیں نہیں جا سکتے''۔ اور اس کے ساتھ

ہی ایک دھماکہ سنائی دیا۔ اور وہ اچھلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑے اور پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں سلمان سڑک پر نظر آیا۔ اور اس کی تلوار کی پہلی ضرب کے ساتھ ہی ایک اور آدمی گر پڑا۔ تیسرے آدمی نے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن سلمان نے پلٹ کر اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔

اچانک اس نے گھوڑے کی باگ بائیں طرف موڑ لی اور سلمان کا پہلو وار خالی گیا۔ لیکن آن کی آن میں وہ دوبارہ اس کی زد میں آچکا تھا۔ اس نے کترا کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش کی لیکن سلمان نے وار کیا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف ڈھلک گیا۔ پھر رکاب میں پھنسے ہوئے ایک پاؤں کے سوا اس کا باقی دھڑ زمین پر رگڑ کھا رہا تھا۔ بدحواس گھوڑا چھلانگیں لگانے کے بعد رک گیا۔

اچانک سلمان کو پیچھے سے کوئی آواز سنائی دی اور اس نے جلدی سے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر اسے ایڑ لگا دی۔ پھر بجلی چمکی اور اسے دو آدمی آپس میں کشتی لڑتے ہوئے دکھائی دیے۔

تمکین اس نے قریب پہنچ کر آواز دی۔ جواب میں اسے ہلکی سی ایک چیخ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک آدمی نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن دوسرا آدمی اس کی ٹانگ سے چمٹ گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

تمکین نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "اسے جانے نہ دیجیے۔ اس نے آپ پر تیر چلانے کی کوشش کی تھی"۔

دوسرا آدمی دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سلمان گھوڑے سے کود پڑا۔ پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں اس کی تلوار اس کے خون میں ڈوب چکی تھی۔

سلمان نے تمکین کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میرا خیال تھا کہ یہ بھاگ گیا ہوگا اور شاید تم بھی اس کے ساتھ جا چکے ہو گے۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ تمہیں ایک مددگار کی ضرورت ہے۔ اس لیے تم بھاگ جاتے تو میں تمہارا پیچھا نہ کرتا۔ اب تمہیں صرف

یک گھوڑے کی ضرورت ہے اور میں یہ ضرورت پوری کرسکتا ہوں"۔

یحییٰ نے جواب دیا مجھے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں میری آخری منزل آ چکی ہے۔ آپ نے مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ ایک گنہگار کے لیے زندگی کے آخری سانس تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا اور میں آپ کا شکرگزار رہوں۔ اب آپ کو یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

"تم میرے ساتھی بن چکے ہو اور میں تمہیں اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ یہاں سے قریب ہی ایک بستی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں پہنچ کر میں تمہارے علاج کا بندوبست کرسکوں گا"۔

سلمان نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن یحییٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی بغل کے قریب لے گیا۔ معاً سلمان کی انگلیاں اس کے گرم خون میں ڈوب گئیں اور پھر وہ اضطراب کی حالت میں خنجر کا دستہ ٹٹول رہا تھا جو اس کے سینے میں اتر چکا تھا۔

یحییٰ نے درد سے کراہتے ہوئے کہا "آپ کا تیر میرے دائیں پہلو میں لگا تھا اور میں نے اسے اسی وقت نکال کر پھینک دیا تھا لیکن یہ خنجر"۔

اس نے اپنا فقرہ پورا کرنے کے بجائے کھانسنا شروع کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے قے آ گئی۔ سلمان اس کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد یحییٰ نے سنبھل کر کہا۔

"مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ آپ کی گھات میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں یہی سمجھتا تھا کہ خوف کے باعث اس میں بھاگنے کی سکت نہیں رہی۔ لیکن جب وہ کمان پر تیر چڑھانے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا"۔

وہ کہہ رہا تھا کہ تم دشمن کے ساتھ مل گئے ہو۔ تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ وہ مجھ سے طاقتور نہیں تھا لیکن میں زخمی تھا۔ آپ نے جس آدمی کا پیچھا کیا تھا وہ بھاگ تو نہیں گیا؟"

"نہیں"

"اب صرف ہم میں سے ایک آدمی کہیں بھاگ گیا ہے لیکن وہ زخمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ غرناطہ کے بجائے سیدھا اپنے گاؤں جائے گا۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکوں گا لیکن مجھے ان لوگوں کے ساتھ دفن ہونا پسند نہیں"۔

"میں تمہیں یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اگر تم ذرا ہمت سے کام لو تو ہم جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔ میں ابھی تمہارے لیے گھوڑا لاتا ہوں"۔ سلمان اٹھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے واپس آ کر یحییٰ کو آواز دی "یحییٰ اٹھو میں تمہارے لیے گھوڑا لے آیا ہوں۔ تم اٹھ سکو گے یا تمہاری مدد کروں؟"

لیکن یحییٰ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

"یحییٰ! یحییٰ!" وہ اضطراب کی حالت میں اپنے گھوڑے سے کود کر آگے بڑھا اور اس کی نبضیں ٹٹولنے لگا۔ لیکن اس میں زندگی کے آثار نظر نہ آئے۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اس نے لاش گھوڑے پر لاد دی اور دونوں گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر وہاں سے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سڑک کنارے شکستہ مکان کے سامنے رکا اور لاش اندر لے گیا۔ پھر جلدی سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایک ہاتھ سے دوسرے گھوڑے کی لگام پکڑ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ جنوب کی طرف تھا اور اس کی پہلی منزل وہی گاؤں تھا جہاں صبح کے وقت ایک کمسن بچی نے اسے کھانے کی دعوت دی تھی۔

بارش تھم چکی تھی اور چاند بھاگتے ہوئے بادلوں سے جھانک رہا تھا۔

☆☆☆

سمان نے گاؤں کے قریب رک کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ پھر چند قدم آگے سڑک کے دئیں طرف ایک سنسان گلی میں داخل ہو اور بائیں ہاتھ آخری مکان کے سامنے گھوڑے سے اتر پڑا۔

گلی کے دوسرے مکانوں کی طرح یہ مکان بھی غیر آباد معلوم ہوتا تھا۔ باہر کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور پھاٹک کا ایک کواڑ غائب تھا۔

چند ثانیے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ اندر داخل ہوا۔ چھوٹے سے صحن سے آگے کوئی دروازہ کھلا ہوا تھا اور ہوا کے جھونکوں سے اس کے شکستہ کواڑوں کی چرچراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

سلمان نے چند لمحے سوچنے کے بعد احتیاطاً آواز دی کوئی ہے! کوئی ہے! اور پھر کوئی جواب نہ پا کر دونوں گھوڑے یکے بعد دیگرے برآمدے کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیے اور جلدی سے باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مسجد کے سامنے کشادہ حویلی کے پھاٹک کے قریب رکا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد دبے پاؤں چند قدم آگے بڑھا پھر ایک جگہ سے شکستہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے ایک چور کی طرح حویلی کے اندر داخل ہونا پسند نہ تھا لیکن اندرونی مکان باہر کے پھاٹک سے اتنا دور تھا کہ اگر وہ پوری قوت سے چلانے کی کوشش کرتا تو بھی اس کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکتی اور اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ مکینوں کی بجائے بستی والے وہاں جمع ہو جاتے۔

باغ میں کوئی دو سو قدم چلنے کے بعد اس نے ایک قلعہ نما عمارت کی بلند دیوار کے درمیان ایک دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی اور پھر چند ثانیے توقف کے بعد آوازیں دینے لگا:

”مسعود! مسعود!“

تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی "آپ کون ہیں؟"

"آپ مسعود کو بلائیں وہ مجھے جانتا ہے"۔

"ٹھہریے!"

سلمان کوئی پانچ منٹ انتظار کرتا رہا۔ پھر اچانک اسے اپنے پیچھے کوئی آہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی کسی نے بارعب آواز میں پوچھا "آپ کون ہیں؟"

سلمان نے مڑ کر دیکھا۔ ایک آدمی درختوں سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

"مسعود" اس نے کہا "صبح ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں بے وقت تکلیف دی ہے۔ باہر کا پھاٹک بند تھا۔ اگر بند نہ بھی ہوتی تو بھی مجھے یہ امید نہ تھی کہ میری آواز اتنی دور پہنچ جائے گی۔ پھر مجھے اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ اگر میں نے شور مچایا تو گاؤں کے لوگ سڑک پر جمع ہو جائیں گے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مکان کے باہر پہرہ دے رہے ہو تو میں گھر والوں کو بے آرام نہ کرتا۔ تم گھر کی مالکہ کو اطلاع دو میں حامد بن زہرہ کا ساتھی ہوں"۔

اندر سے آواز آئی "تمہارا نام کیا ہے؟"

سلمان کے کانوں کو یہ آواز مانوس محسوس ہوئی اور اس نے بلا تامل جواب دیا "میرا نام سلمان ہے"۔

اچانک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی باہر نکل آیا۔ یہ ولید تھا۔ سلمان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا اس نے پوچھا "سعید تمہارے ساتھ ہے؟"

"ہاں!"

"وہ زخمی ہے؟"

"ہاں لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ زخمی ہے؟"

"مجھے بہت کچھ معلوم ہے لیکن یہ بات میرے علم میں نہ تھی کہ آپ سے یہاں

لے آئے ہیں"۔

ولید کے مزید سوالات کے جواب میں سلمان نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ اختتام پر ولید چند ثانیے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مسعود سے مخاطب ہو کر کہا

"تم انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ۔ اس کے بعد سڑک پر باہر کھڑے رہو اور عمر کے واپس آتے ہی مجھے اطلاع دو"۔

"تشریف لائیے!" مسعود نے سلمان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

سلمان نے تذبذب کی حالت میں ولید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"سعید کی حالت کیسی ہے؟"

"ولید نے جواب دیا سعید بے ہوش ہے اور اس وقت اس کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ لیکن تشویش کی کوئی بات نہیں۔ انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ابھی آتا ہوں"۔

وہ اندر چلا گیا اور سلمان مسعود کے ساتھ چل پڑا۔

وہ فصیل کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دائیں طرف مڑے اور دوسرے طرف سے مکان کے مردانہ حصے میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک کشادہ کمرے میں چراغ جل رہا تھا اور بوڑھا نوکر جسے سلمان نے صبح کے وقت دیکھا تھا دروازے کے قریب برآمدے میں کھڑا تھا۔ مسعود سلمان کو دروازے کے سامنے چھوڑ کر واپس چل دیا۔ سلمان نے بھیگی ہوئی قبا اور دستار اتار کر بوڑھے کے سپرد کی اور کمرے کے اندر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

نوکر نے بھیگے ہوئے کپڑے نچوڑے اور انہیں دیوار کے ساتھ کھونٹیوں پر لٹکانے کے بعد آتشدان میں آگ جلائی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سلمان کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اس کا جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہے۔ اس نے کرسی گھسیٹ کر آگ

کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے۔

☆☆☆

قریب قریب نصف گھنٹہ وہ ولید کا انتظار کرتا رہا۔ پھر چانک سے صحن میں کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ ولید کمرے میں داخل ہوا اور نڈھال سا ہو کر اس کے قریب کرسی پر گر پڑا۔

سلمان نے مضطرب ہو کر سعید کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا "اب اس کی حالت قدرے بہتر معلوم ہوتی ہے لیکن ابھی تک ہوش نہیں آیا"۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ولید کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس نے سر جھکا دیا۔

سلمان نے کہا "میرے بھائی! اب تمہیں صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے"۔

ولید نے بڑی مشکل سے سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا "مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ حامد بن زہرہ ہمیشہ کے لیے ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ میں نے انہیں تیروں کی بوچھاڑ میں گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے دل کو فریب دیتا رہا کہ شاید وہ زندہ ہوں اور ظالموں نے انہیں قتل کرنے کی بجائے گرفتار کر لیا ہو۔ لوگ تو اب یہی کہیں گے کہ میں انہیں موت کے دروازے پر چھوڑ کر بھاگ آیا ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ اگر میرے سامنے سعید کی جان بچانے کا سوال نہ ہوتا تو میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک ان کا ساتھ دیتا۔ مجھے مرتے دم تک یہ ندامت رہے گی کہ میں ایک نادان دوست تھا۔ اگر میں آپ کو ان تک پہنچنے دیتا تو شاید ان کی جان بچ جاتی"۔

سلمان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "وہ اپنی منزل دیکھ چکے تھے اور ان کا راستہ بدلنا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ اب ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم سعید کی جان بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اس کے زخم زیادہ خطرناک تو نہیں؟"

ولید نے جواب دیا "سر دست اس کے متعلق کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی!"

سلمان نے کہا "اگر آپ کسی اچھے طبیب کا پتا دے سکتے ہیں تو میں غرناطہ جانے کے لیے تیار ہوں"۔

ولید نے جواب دیا "اگر مجھے اطمینان ہوتا کہ حکومت کے جاسوس اس گھر تک اس کا پیچھا نہیں کریں گے تو غرناطہ کے ہر اچھے طبیب کو یہاں بلایا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کو فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ اس وقت ان کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک آپ دیکھ سکیں گے"۔

سلمان نے کہا "دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس تیسرے آدمی کے بچ نکلنے کے امکانات کیا ہیں جس نے حملہ آوروں میں سے دو آدمی قتل کرنے اور باقی سارے گروہ کو اپنے پیچھے لگا لینے کے بعد آپ کو بچ نکلنے کا موقع دیا تھا۔ ایسے بہادر آدمی کو بچانا ہمارا اولین فرض ہے اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ وہ کس طرف گیا ہے تو میں اس کی مدد کے لیے تیار ہوں"۔

ولید نے جواب دیا "اب وہ بہت دور جا چکا ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا گھوڑا اتنا تیز رفتار ہے کہ دشمن اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر حملہ آوروں کے دوسرے گروہ کو چکمہ دینے کے لیے ہمیں اپنے گھوڑوں سے محروم نہ ہونا پڑتا تو میں سعید کو یہاں پہنچاتے ہی اس کی مدد کے لیے روانہ ہو جاتا۔ اس گھر میں صرف دو گھوڑے تھے لیکن وہ ایسی مہم کے قابل نہ تھے۔ میں نے سعید کے متعلق اطمینان ہوتے ہی گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا تھا لیکن ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ چار آدمیوں کو پل کی طرف بھیج کر یہ معلوم کیا جائے کہ غداروں نے زخمیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے! امید ہے کہ وہ تھوڑی دیر تک واپس آ جائیں

گے“۔

سلمان نے کچھ سوچ کر سوال کیا ”یہ تیسرا آدمی کون تھا؟“

”معاف کیجیے میں اس کے متعلق آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا ہمیں اس کا نام ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ فی الحال آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ ایک اچھا سپاہی ہے“۔

”اس نے آپ کو پل کے قریب جانے سے روکا تھا“۔

”ہاں!“

”آپ کو یہ اطمینان ہے کہ سعید کے لیے یہ گھر محفوظ ہے؟“

ولید نے جواب دیا ”سر دست اس کے لیے اس گھر سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں۔ اگر اس کی حالت میں ذرا بہتر ہوتی تو میں اسے غرناطہ پہنچانے کی کوشش کرتا۔ اب چند دن تک اسے یہیں رہنا پڑے گا۔ یہ میری ماموں زاد بہن کا گھر ہے اور ایک زخمی کو اس وقت ان سے بہتر تیمار دار اور معالج نہیں مل سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ سعید ہوش میں آنے کے بعد بھی چند دن تک سفر کے قابل نہیں ہو سکے گا“۔

”اب وہ بے ہوش ہے تو ہمیں سب سے پہلے کسی اچھے طبیب کا بندوبست کرنا چاہیے“۔

ولید نے جواب دیا ”طبیب کے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرے والد غرناطہ کے چند نامور طبیبوں میں سے ایک ہیں۔ اگر ضروری سمجھا گیا تو وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ لیکن اس وقت حکومت کے جاسوس بہت چوکس ہیں۔ ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ وہ گھر سے نکلیں اور قاتل ان کا پیچھا کر رہے ہوں۔ بہرحال یہ میری رشتے کی بہن ان کی شاگرد ہیں اور عام طبیبوں سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ سعید کے بے ہوش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جسم سے دو تیر نکالنے کے لیے بے ہوشی کی دوا دی گئی تھی“۔

سلمان نے کہا۔ "اور آپ اس بدنصیب کی لاش کے دفن کرنے کا بھی بندوبست کریں جسے میں راستے میں چھوڑ آیا ہوں۔ سڑک کے کنارے پر یک شکستہ مکان تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ اس کے قریب کافی پانی بہہ رہا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ اس کو وہاں سے کہیں دور دفن کیا جائے"۔

ولید نے کہا۔ "آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں"۔ "اب آپ سعید کا حال پوچھ آئیں۔ اگر اس کی حالت تسلی بخش ہو تو میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا"۔

☆☆☆

مسعود کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ولید سے مخاطب ہو کر کہا "وہ واپس آگئے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں پل کے آس پاس کوئی لاش نہیں ملی۔ عمر کہتا ہے کہ آپ کو ضرورت ہو تو آپ میرا گھوڑا لے جائیں"۔

"نہیں آپ سے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں لیکن تم انہیں روک لو اور عمر کو یہاں لے آؤ"۔

مسعود واپس چلا گیا اور ولید نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا "مجھے آپ سے بہت کچھ پوچھنا تھا لیکن موجودہ حالات میں میرا فوراً غرناطہ پہنچنا ضروری ہے۔ اب دوسرا گھوڑا میرے کام آئے گا۔ لیکن فی الحال آپ غرناطہ نہیں جا سکیں گے"۔

سلمان نے کہا "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں غرناطہ کی تازہ صورت حال معلوم کیے بغیر واپس چلا جاؤں؟"

"نہیں نہیں" ولید نے جواب دیا "آپ وہاں نہیں جا سکتے مجھے راستے میں سعید نے آپ کی سرگزشت سنائی تھی۔ وہ اس بات سے سخت مضطرب تھا کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ انشاء اللہ میں بہت جلد

واپس آؤں گا۔ اگر مجھے روپوش ہونا پڑا تو بھی آپ کو میرا پیغام مل جائے گا۔ سعید کی حفاظت کے لیے بھی آپ کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ کسی فوری خطرے کے پیش نظر اسے یہاں سے نکالنے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آ جائے۔ آپ کب تک یہاں ٹھہر سکتے ہیں؟"

سلمان نے جواب دیا "آج سے چار دن بعد ایک جہاز ساحل کے قریب کسی جگہ میرا انتظار کرے گا۔ اگر میں معینہ وقت پر نہ پہنچ سکا تو جہاز واپس چلا جائے گا اور مجھے چند دن بعد کسی اور جگہ پہنچ کر اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اس طرح آئندہ دو ماہ تک میرے ساتھی مقررہ تاریخوں پر ساحل کے مختلف مقامات کا طواف کرتے رہیں گے۔ پھر اگر مجھے زیادہ مدت کے لیے رکنا پڑا تو میں ساحلی علاقے میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جن سے مجھے کوئی مدد مل سکتی ہے"۔

ولید نے کہا "عام حالات میں حامد بن زہرہ کی موت کے بعد ہمارے دشمن سعید کے متعلق زیادہ پریشان نہ ہوتے لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ حامد بن زہرہ کے ساتھیوں کو تلاش کرنے کے لیے بھی سعید کو گرفتار کرنا ضروری سمجھیں گے اور اگر انہیں شبہ ہو گیا کہ باہر سے بھی ان کا کوئی مددگار یہاں آ پہنچا ہے تو سعید کو گرفتار کرنا ان کے لیے زندگی اور موت کا سوال بن جائے گا۔ اس لیے آپ کو محتاط رہنا چاہیے"۔

☆☆☆

مسعود عمر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ ولید نے سلمان کو حامد بن زہرہ کے ایک دوست کی حیثیت سے متعارف کراتے ہوئے لاش کو دفن کرنے کے متعلق ہدایات دیں اور مسعود کو گھوڑے لانے کے لیے کہا۔ اور پھر جب وہ واپس چلے گئے تو سلمان نے کہا:

"میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ غرناطہ میں اپنے آنے کا کام ادھورا چھوڑ رہا ہوں۔

ورنہ مجھے وہاں جانا پڑے گا۔ اگر آپ کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملا تو ممکن ہے کہ میں اچانک وہاں پہنچ جاؤں۔ مجھے بہت زیادہ عقلمند ہونے کا دعویٰ نہیں۔ تاہم میں آپ کے ساتھیوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ انہیں موجودہ حالات میں حامد بن زہرہ کے قتل کا سانحہ عوام کے سامنے نہیں لانا چاہیے۔ اگر عوام مشتعل ہو گئے تو قوم کے غداروں سے بعید نہیں کہ وہ اپنی جانیں بچانے کی خاطر دشمن کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں۔ آپ کو اندرونی غداروں اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ ٹکر لینے سے پہلے اتنا موقع ضرور ملنا چاہیے کہ آپ کوہستانی قبائل کو اپنا ہمنوا بنا سکیں۔ اس کے بعد حامد بن زہرہ کے قاتلوں سے بروقت انتقام لیا جاسکتا ہے“۔

ولید نے کہا ”آپ اطمینان رکھیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ دشمن ہماری ہر غلطی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت حکومت کو ایک ذہنی الجھن میں مبتلا رکھنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی بات ظاہر نہ ہونے دیں۔ میرے علاوہ صرف دو آدمی ایسے ہیں جنہیں اس المناک حادثے کا علم ہے۔ سعید زخمی ہے ورنہ وہ غرناطہ نہیں جاسکتا۔ دوسرا آدمی کسی صورت مجھ سے پہلے غرناطہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر وہ پہنچ گیا ہو تو بھی آپ اسے انتہائی دوراندیش پائیں گے۔ میں نے وقت کا صرف چند انتہائی قابل اعتماد آدمیوں سے ذکر کروں گا“۔

ایک عمر رسیدہ خادمہ نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا ”جناب اہرمیہ کہتی ہے کہ آپ مہمان کو لے کر اندر آئیں“۔

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد وہ سکونتی مکان کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے۔ سعید آنکھیں بند کیے بستر پر بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر سکون برس رہا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ سلمان نے آگے بڑھ کر اس کی

پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اچانک ساتھ والے کمرے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی

""آپ کچھ دیر زخمی سے کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔ ابھی تک ان پر دوا کا اثر ہے""۔

سلمان نے مڑ کر دیکھا اور اس کی نگاہیں ایک سنجیدہ حسین اور باوقار چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

بدریہ! ولید نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "یہ سلمان ہیں اور جو واقعات انہوں نے بیان کیے ہیں ان سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ حامد بن زہرہ شہید ہو چکے ہیں۔ اور قاتلوں نے ان کے علاوہ ہمارے باقی چار ساتھیوں کی لاشیں بھی نالے میں پھینک دی ہیں۔ اب میں فوراً غرناطہ جانا چاہتا ہوں اور یہ سعید کی حفاظت کے لیے آپ کے پاس رہیں گے۔ اگر آپ سعید کے متعلق کوئی تشویش محسوس کریں تو یہاں سے کسی کو ماموں جان کے پاس بھیج دیں"۔

بدریہ نے جواب دیا "اگر قاتلوں کے تیر زہر آلود نہیں تھے تو انہیں تکلیف دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن آپ گھر پہنچتے ہی چند ادویات بھیج دیں۔ آپ ایک منٹ ٹھہریں میں ماموں جان کے نام ایک رقعہ لکھ دیتی ہوں۔ ممکن ہے وہ کوئی بہتر مشورہ دے سکیں"۔

ولید نے کہا "میرا گھر جانا غرناطہ کے حالات پر منحصر ہے۔ ممکن ہے مجھے کچھ عرصہ کے لیے روپوش رہنا پڑے۔ بہرحال میں یہ کوشش کروں گا کہ آپ کا رقعہ اباجان کو مل جائے"۔

"میں ابھی آتی ہوں"۔

بدریہ جلدی سے برابر کے کمرے میں چلی گئی۔ اور سلمان نے ولید سے مخاطب ہو کر کہا "اگر ادویات بھیجنے کے لیے کوئی اور تسلی بخش انتظام نہ ہو سکے تو آپ جعفر کو تلاش کر کے یہاں بھیج دیں۔ آپ سیدھے سرائے میں جائیں مجھے امید ہے کہ وہ

آپ کو وہاں مل جائے گا اور اگر تیسرا آدمی جس نے سعید کی خاطر بھیڑیوں کا گروہ اپنے پیچھے لگا لیا تھا بخیریت واپس پہنچ جائے تو اسے میرا سلام پہنچا دیں اور میری طرف سے یہ پیغام دیں کہ اگر مجھے دوبارہ غرناطہ آنے کا موقع ملا تو میری سب سے بڑی تمنا یہ ہوگی کہ اسے ایک نظر دیکھ لوں"۔

ولید نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ جب میں ان سے آپ کا ذکر کروں گا تو وہ بھی آپ کو دیکھنے کے لیے کم بے چین نہیں ہوں گے۔ دوبارہ جنگ شروع ہو جانے کی صورت میں ہماری اولین ضرورت یہ ہوگی کہ ہم اہل بربر کے بزرگوں سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے فوج کے کسی تجربہ کار افسر کو ان کے پاس بھیجیں اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ جسے آپ تیسرا آدمی کہتے ہیں اس کام کے لیے نہایت موزوں ہوگا اس لیے امکان سے بعید نہیں کہ وہ کسی وقت اچانک یہاں پہنچ جائے اور آپ سے کہے میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں"۔

"میں ایسے آدمی کی رفاقت میں سفر کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھوں گا"۔

بدریہ برابر والے کمرے سے نکلی اور اس نے ایک کاغذ ولید کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ولید نے جلدی سے سلمان سے مصافحہ کرتے ہوئے خدا حافظ کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

بدریہ نے کرسی گھسیٹ کر آتش دان کے سامنے کرتے ہوئے کہا "معاف کیجیے مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ آپ بارش میں بھیگ کر آئے ہیں۔ یہاں تشریف رکھیں میں آپ کے لیے خشک کپڑوں کا بندوبست کرتی ہوں"۔

سلمان نے آگ کے سامنے سرکتے ہوئے کہا "نہیں آپ تشریف رکھیں اب مجھے سردی محسوس نہیں ہوتی اور میرا لباس بھی جلد خشک ہو جائے گا"۔

بدریہ نے سعید کے بستر کے قریب جا کر اس کی نبض دیکھی اور پھر سلمان سے دو

قدم دور ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

”ولید کہتا تھا کہ آپ ترکوں کے بحری بیڑے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں آپ سے حامد بن زہرہ کی قید اور رہائی کے واقعات سننا چاہتی ہوں۔ کیا انہیں اندلس سے روانہ ہوتے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا؟“

”نہیں وہ مراکش کے ساحل پر پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے ایک بربر جہاز ران نے انہیں قسطنطنیہ پہنچانے کا ذمہ لیا تھا لیکن راستے میں مالٹا کے دو جنگی جہازوں نے ان پر حملہ کر دیا تھا اور جن مسافروں نے جلتے ہوئے جہاز سے کود کر جانیں بچانے کی کوشش کی تھی انہیں گرفتار کر کے مالٹا لے گئے تھے۔ چند ہفتے حامد بن زہرہ کے متعلق انہیں کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس میں ان کے دشمن غافل نہ تھے ایک دن قیدیوں کو فرڈیننڈ کے سفیر کے سامنے پیش کیا گیا اور چند گھنٹے کے بعد حامد بن زہرہ مالٹا کے قید خانے سے ہسپانیہ کے ایک جنگی جہاز پر منتقل ہو چکے تھے۔ انہی دنوں ترکوں کے دو جہاز تیونس اور صقلیہ کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک شام ہسپانیہ کے جنگی جہاز کی پہلی جھلک دیکھی اور اگلی صبح دھندلکے میں وہ دونوں طرف گولہ باری کی زد میں تھا دشمن کے لیے جہاز کے ساتھ غرق ہونے یا ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ چنانچہ چند منٹ کے اندر اندر وہ سفید جھنڈا بلند کر رہے تھے۔ آپ کو تفصیلات بتانے کی ضرورت نہیں۔ حامد بن زہرہ کو شدید بخار کی حالت میں دوسرے جہاز پر منتقل کیا گیا۔ انہیں دو دن تک بالکل ہوش نہ تھا۔

تیسرے دن انہوں نے ہوش میں آتے ہی جو پہلا سوال کیا وہ غرناطہ کے متعلق تھا۔ اور جب کسی نے متارکۂ جنگ کے معاہدے کا ذکر کیا تو وہ چلا اٹھے۔ نہیں نہیں تم غلط کہتے ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم موسیٰ بن ابی غسان کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ بے ہوش ہو چکے تھے۔

اگلے دن ہوش میں آتے ہی ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ ہسپانوی جہاز کے کپتان کی تلوار اسے واپس کردی جائے اور اسے یہ اطمینان دلایا جائے کہ اس کے ساتھ ایک شریف دشمن کا سا سلوک کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ان پر حملہ ہوا تھا تو جہاز کے دوسرے افسروں کی متفقہ رائے تھی کہ حامد بن زہرہ کو فی الفور موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن کپتان نے سختی سے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔

بدریہ نے سوال کیا ”آپ اس دوران میں حامد بن زہرہ کے ساتھ تھے؟“

”جی نہیں ہماری رفاقت لڑائی کے بعد شروع ہوئی تھی۔ میں اس جہاز کا کپتان تھا جس نے ہسپانوی جہاز پر پہلا گولہ چلایا تھا۔ حامد بن زہرہ کو دشمن کی قید سے آزاد ہونے کے بعد میرے جہاز پر منتقل کیا گیا تھا۔ ہمارے جنگی بیڑے کا ایک حصہ یونان سے افریقہ کے ساحل کی طرف منتقل ہو رہا تھا اور امیر البحر ساحل رئیس طرابلس کے قریب لنگر انداز تھے۔ غرناطہ کے حالات کے متعلق حامد بن زہرہ کا اضطراب دیکھ کر ہم نے انہیں کسی تاخیر کے بغیر امیر البحر کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔“

امیر البحر نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا اور یہ مشورہ دیا کہ آپ کسی تاخیر کے بغیر واپس چلے جائیں اور غرناطہ کو دشمن کے قبضے سے بچانے کی کوشش کریں۔ اگر اہل غرناطہ نے ہتھیار ڈال دیئے تو آپ کا سلطان کے پاس جانا بے سود ہوگا۔ ہم اسی صورت میں اندلس کی کوئی مدد کرسکیں گے جب آپ کا اندرونی حصار قائم ہو۔

حامد بن زہرہ کو مطمئن کرنے کے لیے امیر البحر نے یہ وعدہ کیا کہ وہ بذات خود سلطان کے سامنے غرناطہ کی اعانت کا مسئلہ پیش کریں گے۔

پھر انہیں اندلس پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔ ساحل بربر سے چند جہاز ران جو ترکی بیڑے کے حلیف ہیں امیر البحر سے ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے

۔انہوں نے میرے جہاز کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اپنے دو جہاز میرے ساتھ روانہ کر دیے۔

ہندس کے ساحلی علاقے سے چند میل دور دشمن کے دو جہاز گشت کر رہے تھے۔ انہوں نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ ہم نے تصادم سے بچنے کے لیے اپنے جہازوں کا رخ ساحل کے بجائے مغرب کی سمت پھیر دیا۔ اور شام تک ان کے آگے بھاگتے رہے۔ اس کے بعد میں نے تاریکی کا فائدہ اٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اپنا جہاز ساحل کی دو چٹانوں کے درمیان ایک تنگ خلیج کے اندر لے گیا۔

ہمارا ایک جہاز ساحل سے کچھ دور رک گیا اور دوسرے جہاز نے دو میل آگے جا کر ایک ساحلی چوکی پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے جہاز جو شاید عام حالت میں زیادہ احتیاط سے کام لیتے پوری رفتار سے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر بعد ایک جہاز خلیج کے عین سامنے میرے جہاز کی توپوں کی زد میں آ چکا تھا۔ پھر آن کی آن میں اس کے تختے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے پیچھے آنے والے جہاز نے کھلے سمندر کی طرف فرار ہونے کی کوشش کی لیکن وہ ابھی اپنا رستہ تبدیل کرتے ہی ہمارے دوسرے جہاز کی گولہ باری کا سامنا کر رہا تھا۔

پھر میں نے بھی خلیج سے باہر نکل کر اس پر حملہ کر دیا اور وہ چند منٹ سے زیادہ دو طرفہ گولہ باری کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اس کے بعد آس پاس کوئی جگہ حامد بن زہرہ کو اتارنے کے لیے محفوظ نہ تھی۔

ہم نے کچھ دیر ساحل سے ذرا دور ہٹ کر تیسرے جہاز کا انتظار کیا اور اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں مشرق کی سمت اسی جگہ اتارا جائے جو ہم نے پہلے منتخب کی تھی۔ مجھے امیر البحر نے یہ حکم دیا تھا کہ میں حامد بن زہرہ کی حفاظت کا تسلی بخش انتظام کیے بغیر واپس نہ آؤں اور اگر ضرورت پڑے تو آخری منزل تک ان کا ساتھ دوں

حامد بن زہرہ کو پہاڑی علاقے میں جس بستی کے لوگوں سے اعانت کی توقع تھی وہ ساحل سے پانچ میل دور تھی۔ اگر دشمن کے جہازوں سے متصادم نہ ہوتا تو میں رات ہی رات نہیں وہاں پہنچا کر واپس ہو سکتا تھا اور میرے ساتھی میرا انتظار کر سکتے تھے۔ لیکن اب یہ ممکن نہ تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ اور ہمارے جہاز دن کے وقت ساحل کے قریب تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے"۔

چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے رخصت لی اور اپنے نائب کو حکم دیا کہ وہ بھی پانچ جہاز واپس لے جائے۔ حامد بن زہرہ ابھی پیدل چلنے کے قابل نہیں ہوئے تھے اور پہاڑ کے دامن میں ایک کٹھن راستے پر مجھے بار بار ان کو سہارا دینے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ طلوع سحر کے وقت ہمیں ایک تنگ وادی میں خانہ بدوشوں کی چند جھونپڑیاں دکھائی دیں۔ میں نے وہاں پہنچ کر حامد بن زہرہ کی سواری کے لیے ایک گھوڑا خریدا پھر ہم دوپہر چرواہوں اور کسانوں کی بستی میں پہنچ گئے۔

بستی کا سردار غرناطہ میں حامد بن زہرہ کا شاگرد رہ چکا تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ وہ ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے پر مصر تھا لیکن حامد بن زہرہ ایک لمحہ ضائع کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ میرے ساتھی کے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر دیں۔

ہمارے میزبان نے مجھے ایک بہترین گھوڑا پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسے میری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول فرمائیے! اس کے بعد باقی سفر کے دوران ہمیں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

دو دن بعد حامد بن زہرہ کو ان کے گھر پہنچانے کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو چکی تھی لیکن انہوں نے اچانک غرناطہ آنے کا فیصلہ کر لیا اور مجھے یہ حکم دیا کہ میں ان کی واپسی کا انتظار کروں۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ مجھے بھی ان کے پیچھے غرناطہ جانا

پڑا"۔

بدریہ نے کچھ سوچ کر کہا "اگر غداروں کو یہ معلوم ہوگیا کہ حامد بن زہرہ کا ایک ساتھی ترکوں کے بحری بیڑے سے تعلق رکھتا ہے تو وہ بلا تاخیر دشمن کو خبردار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر آپ کے لیے ساحل کی طرف واپس جانے کا کوئی راستہ محفوظ نہیں رہے گا۔ اگر آپ سعید کی وجہ سے رک گئے ہیں تو میں یہ کہوں گی کہ آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے"۔

سلمان نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے کہ موجودہ حالات میں سعید کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن اب واپس جانے سے پہلے میرے لیے غرناطہ کے تازہ حالات معلوم کرنے ضروری ہیں۔ اگر کل تک ولید کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو مجھے بذات خود وہاں جانے کا خطرہ مول لینا پڑے گا۔ حامد بن زہرہ نے مجھے اس لیے روکا تھا کہ شاید غرناطہ میں اپنے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد انہیں ہمارے امیر البحر کو کوئی پیغام بھیجنے کی ضرورت پیش آجائے"۔

☆☆☆

بدریہ پورے انہماک کے ساتھ سلمان کی باتیں سن رہی تھی اور سلمان کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر قبل جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو اس نے صرف ایک ثانیہ کے لیے بدریہ کی طرف دیکھا تھا اور اس کے بعد اس کی یہ حالت تھی کہ کبھی بے خیالی کے عالم میں بھی وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا تو اس کی نگاہیں حیا اور وقار حسن کے احساس سے جھک جاتیں۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ ضرورت سے زیادہ باتیں کر رہا ہے اور وہ خاموش ہوگیا۔

بدریہ نے چند ثانیے توقف کے بعد کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ میرے ہم وطن ہیں۔ باہر کا کوئی آدمی اندلس کے ساحلی علاقوں سے اس قدر واقف نہیں ہو سکتا"۔

سلمان نے جواب دیا "میں المریہ کے ایک عرب گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور والدہ ایک بربر قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن یہ ایک طویل داستان ہے"۔

"اگر آپ تھک نہ گئے ہوں تو میں وہ طویل داستان سننا چاہتی ہوں"۔

بدریہ کے اصرار پر سلمان نے اپنی سرگزشت شروع کر دی۔

"جہاز رانی اور تجارت ہمارا خاندانی پیشہ تھا۔ میرے والد کے چار ذاتی جہاز تھے۔ انہوں نے المریہ اور مالقہ کے علاوہ مراکش اور الجزائر میں بھی تجارتی مرکز قائم کر رکھے تھے اور اکثر گھر سے باہر رہتے تھے۔ جب میری عمر چھ سال کی ہوئی تو والدہ ان کی غیر حاضری میں فوت ہو گئیں۔ میرے نانا مجھے اپنے پاس لے آئے۔ دو ماہ بعد ابا جان واپس آئے اور مجھے اپنے ساتھ مالقہ لے آئے۔ وہاں میں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ میں ایک اچھا جہاز ران بنوں اور مجھے عملی تربیت دینے کے لیے کبھی کبھی اپنے ساتھ بھی لے جایا کرتے تھے۔ دو سال بعد وہ ایک لمبے سفر پر گئے تو میں ان کی غیر حاضری میں بیمار ہو گیا۔ واپس آ کر انہوں نے مجھے مستقل طور پر اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد میرا گھر ان کا جہاز تھا۔ میری تعلیم کے لیے انہوں نے ایک اتالیق مقرر کر دیا تھا جو سفر میں ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ کوئی ڈیڑھ سال کے عرصہ میں میں المریہ اور مالقہ کے درمیان کئی بار چکر لگا چکا تھا۔ جب ترکوں نے اطالیہ پر حملے شروع کیے تھے تو کئی اور بربر جہاز رانوں کی طرح ابا جان نے بھی رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ اس مرتبہ وہ مجھے گھر چھوڑ گئے تھے۔ چند ماہ بعد وہ واپس آئے تو سلطان ابوالحسن نے انہیں مالقہ کی بحری درس گاہ کا ناظم مقرر کر دیا۔ میں ایک سال ان کے ساتھ رہا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے ذاتی جہاز رانی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے قسطنطنیہ بھیج دیا۔ جنگ کے ایام میں مجھے یہ اطلاع ملی کہ وہ نائب امیر البحر بنا دیے گئے ہیں"۔

"تو پھر آپ نائب امیر البحر ابراہیم کے بیٹے ہیں" ۔ بدریہ نے سوال کیا۔

"ہاں! جنگ کے دوران مجھے ماموں جان کی طرف سے یہ اطلاع ملی تھی کہ میرے نانا فوت ہو چکے ہیں اور ان کا خاندان ہجرت کر کے بلغاریہ پہنچ چکا ہے۔ چھ ماہ بعد ان کا دوسرا پیغام یہ تھا کہ ابا جان ایک بحری جنگ میں شہید ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد ننھیال سے میرا رشتہ ٹوٹ کٹ چکا تھا۔

کمال رئیس جو اب بحیرہ روم میں ترکی بیڑے کے امیر بن چکے ہیں میرے والد کو اس زمانے سے جانتے تھے جب انہوں نے لپانٹو کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ وہ جب بھی قسطنطنیہ آتے تو میرا حال ضرور پوچھتے تھے۔ ابا جان کی موت کے بعد انہوں نے مجھے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ جب میں فارغ التحصیل ہوا تو انہوں نے مجھے اپنے ذاتی عملے میں شامل کر لیا۔ دو سال بعد مجھے ایک جہاز کی کمان مل گئی"۔

سلمان یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ بدریہ کے ذہن میں کئی سوال ابھر چکے تھے۔

اچانک سعید نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں کراہنے کے بعد آہستہ آہستہ عاتکہ کو آوازیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں جلدی سے اٹھ کر بستر کی طرف بڑھے اور بدریہ سعید کی نبض پر ہاتھ رکھ کر سلمان کی طرف دیکھنے لگی۔ سعید بے چینی کی حالت میں چند بار کروٹ بدلنے کے بعد اچانک خاموش ہو گیا۔

بدریہ اس کے چہرے سے پسینہ پونچھنے کے بعد سلمان سے مخاطب ہوئی۔

"انہیں کافی دیر ہوش نہیں آئے گا۔ اگر آپ تھوڑی دیر یہاں بیٹھنا پسند کریں تو میں آپ سے کچھ اور پوچھنا چاہتی ہوں۔"

سلمان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں سعید کے ہوش میں آنے تک یہاں سے ہلنا بھی پسند نہیں کروں گا"۔

بدریہ و سلمان دوبارہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور بدریہ نے کہا "ولید کہتا تھا کہ آپ

حامد بن زہرہ کو غداروں کی سازش سے خبردار کرنے کے لیے غرناطہ پہنچے تھے لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟"

سلمان نے جواب دیا "سعید کے گاؤں کی ایک لڑکی ہے۔ وہ صبح ہوتے ہی اس کے گھر آئی تھی اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ قوم کے غدار حامد بن زہرہ کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ ایک ہی تھا کہ ولید اور اس کے ساتھیوں نے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا"۔

ہدیہ نے پوچھا "گاؤں کی ایک لڑکی کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ غدار انہیں تلاش کر رہے ہیں آپ کو معلوم ہے وہ کون تھی؟"

"اس کا نام عاتکہ ہے اور اس نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا چچا غداروں کے ساتھ شامل ہو چکا ہے"۔

ہدیہ کے مزید استفسار پر سلمان کو اپنی داستان کا باقی حصہ سنانا پڑا۔ اختتام پر ہدیہ نے کہا "سعید بے ہوشی کی حالت میں عاتکہ کو بھی دو مرتبہ آوازیں دے چکا ہے۔ اگر صبح تک اس کی حالت یہی رہی تو ہو سکتا ہے کہ اس کو یہاں بلانے کی ضرورت پیش آ جائے۔ لیکن اگر اس کا چچا غداروں کے ساتھ مل چکا ہے تو اس کے لیے گھر سے نکلنا آسان نہ ہوگا"۔

سلمان نے کہا "اگر سعید کی موجودہ حالت کے پیش نظر آپ اسے یہاں بلانے کی ضرورت محسوس کرتی ہیں تو ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے ایک یا دو دن بعد آس پاس کے سارے علاقے میں حکومت کے جاسوس پھیل جائیں گے"۔

"حکومت کے جاسوس اس گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے ورنہ انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہو سکتا کہ سعید زخمی ہے۔ ولید کے فوراً غرناطہ جانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ غداروں کی توجہ اس علاقے کی بجائے غرناطہ کی طرف مبذول رکھی جائے"۔

سلمان نے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی وہاں جانے کے لیے تیار

ہوں"۔

"نہیں اس وقت آپ نہیں جا سکتے ممکن ہے کہ صبح تک زخمی کی حالت بہتر ہو جائے اور ہم اس لڑکی کو پریشان کرنے کی بجائے کوئی تسلی بخش پیغام دے سکیں"۔

وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر بدریہ نے کہا "کل میری بیٹی بہت خوش تھی۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ ایک مجاہد غرناطہ گیا ہے اور واپسی پر ہمارے ہاں مہمان ہوگا۔ وہ آپ کی آمد سے قبل سو گئی تھی۔ ورنہ صبح تک آپ سے باتیں کرتی"۔

"اسماء میری میزبانی پر مصر تھی اور میں نے محض اس کی دلجوئی کے لیے جو وعدہ کیا تھا وہ اب ایسے حالات میں پورا کر رہا ہوں جو مجھے بھیانک سپنے محسوس ہوتے ہیں"۔

بدریہ نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ میں سعید کی طرح آپ کے متعلق بھی سخت فکرمند ہوں۔ اگر غداروں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ کوئی بربری ترک حامد بن زہرہ کے ساتھ ہے تو وہ آپ کو گرفتار کر کے دشمن کے حوالے کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اگر جانے سے پہلے غرناطہ کے بعض رہنماؤں سے آپ کی ملاقات ضروری نہ ہوتی تو میں یہ مشورہ دیتی کہ آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے۔ اب اس گھر میں کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کا ترکوں کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ اگر کوئی پوچھے تو آپ اسے یہ کہہ کر ٹال دیں کہ آپ اندراش سے آئے ہیں اور میرے شوہر کے عزیز ہیں۔ میرے شوہر کا نام عبدالجبار تھا"۔

سلمان نے کہا "میں قسطنطنیہ کی بحری درسگاہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو میں اکثر اس قسم کے خواب دیکھا کرتا تھا کہ میں ایک جنگی جہاز کا کپتان ہوں اور اندلس کے ساحل پر دشمن کے قلعے پر گولہ باری کر رہا ہوں لیکن اب مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اچانک مجھے ایک ایسے راستے پر ڈال دیا ہے جو میرے لیے بالکل نیا

ہے۔ میں ایسے کام کے لیے موزوں نہیں تھا‘ اس کے لیے زیادہ ہوشیار آدمی کی ضرورت تھی۔ بہرحال میں یہ کوشش کروں گا کہ میرے یہاں ٹھہرنے سے اگر غرناطہ کے حریت پسندوں کو کوئی فائدہ نہ ہو تو انہیں کوئی نقصان بھی نہ پہنچے“۔

بدریہ نے کہا ”آپ کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے ولید کہہ رہا تھا کہ حامد بن زہرہ کا خون بہانے والوں نے ہم پر اللہ کی رحمت کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ غرناطہ میں ان کی تقریر اس قوم کے ضمیر کی آخری چیخ تھی جو برسوں سے ہلاکت اور تباہی کے طوفانوں کو آواز دے رہی تھی۔ اب ہمیں سلامتی کا راستہ کون دکھائے گا! پھر جب اس نے بتایا کہ آپ ترکوں کی بحری فوج سے تعلق رکھتے ہیں تو میں نے چونک کر یہ محسوس کیا کہ ہم تنہا نہیں ہیں میں اہل غرناطہ کے متعلق مایوس ہو سکتی ہوں لیکن مجھے ترکوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں محمد فاتح کے جانشین کا دامن پکڑ کر کہہ سکتی ہوں کہ اب میری عزت اور آزادی کے محافظ تم ہو۔ اب اگر آپ کو ترکی کے امیر البحر نے بھیجا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے حال سے غافل نہیں ہیں“۔

سلمان نے کہا ”کاش مجھے ترکوں کی طرف سے کوئی اعلان کرنے کا اختیار حاصل ہوتا۔ امیر البحر کمال رئیس کو یہ تشویش نہیں تھی کہ متارکۂ جنگ کا معاہدہ ہتھیار ڈال دینے کا پیش خیمہ نہ ہو اور انہیں اس بات کی امید تھی کہ اگر حامد بن زہرہ ان کے حوصلے جگا سکا تو ترک ان کی جنگ کو خاموش تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھیں گے۔ اب ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اہل غرناطہ قبل از وقت خودکشی کا فیصلہ نہ کر لیں۔ آپ دعا کریں کہ حامد بن زہرہ نے عوام کے دلوں میں جو جذبات بھڑکائے ہیں وہ سرد نہ ہو جائیں!“

بدریہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ اس نے کہا ”جب قوم کے اکابر غفلت اور گمراہی کا راستہ اختیار کر لیں اور جب فاسق اور فاجر لوگ قوم کی قسمت کے

ملت بن جائیں تو عوام کیا کر سکتے ہیں! مجھے ان کے متعلق بھی کوئی خوش فہمی نہیں رہی۔ وہ حامد بن زہرہ کے گرد اس لیے جمع نہیں ہوئے تھے کہ ان کے سینے زندگی کے حوصلوں اور آزادی کے ولولوں سے لبریز تھے بلکہ بھیڑوں کے گلے کو موت کے خوف نے تھوڑی دیر کے لیے ان کے گرد جمع کر دیا تھا۔ اب جب وہ یہ سنیں گے کہ آزادی کی راہ میں خون کے چراغ جلانے کی دعوت دینے والا دوبارہ ان کے پاس نہیں آئے گا تو ان میں سے اکثر اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کریں گے کہ وہ مزید قربانیوں سے بچ گئے ہیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی لیکن کاش اہل غرناطہ کے متعلق میں آپ کو کوئی بہتر رائے دے سکتی۔ میں نے سولہ سال کی عمر میں غرناطہ کی جنگ آزادی میں حصہ لینا شروع کیا تھا۔ میں کئی معرکوں میں زخمی ہونے والوں کی مرہم پٹی کر چکی ہوں۔ میں ان مجاہدوں کو دیکھ چکی ہوں جن کا عزم و یقین نصرت و فتح کا ضامن سمجھا جاتا تھا۔ جن کی آوازیں سن کر بکریوں میں شیروں کے حوصلے پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ میرا اپنا رفیق حیات ان میں سے ایک تھا۔ وہ اس گاؤں کا رئیس تھا اور موسیٰ بن ابی غسان کے دوش بدوش کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا۔ اس کے جسم پر پچپن زخموں کے گیارہ نشان موجود تھے۔ وہ ان بزرگ مجاہدوں میں سے ایک تھا جن کے نام سے دشمن کے دل دہل جاتے تھے۔ اگر اس وقت کوئی یہ کہتا کہ ان غیور اور بہادر انسانوں کے ایثار و خلوص اور عزم و ہمت کے باوجود کسی دن ہماری عظیم فتوحات بدترین شکستوں میں بدل جائیں گی تو میں اور میری طرح اندلس کی ہر بیٹی اس کا منہ نوچنے کے لیے تیار ہو جاتی۔ لیکن ہمارے یہ اندرونی غدار نااہل حضرات اور سازشی امراء بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے اور آج یہ حالت ہے کہ قوم کا بااثر طبقہ غلامی کا درس دینے والوں کی بجائے جہاد کا راستہ دکھانے والوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ حامد بن زہرہ کے قتل کی خبر موجود ہوتے ہی عوام کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور ملت کے غدار اس بات پر

خوشیاں منائیں گے کہ انہیں جنگ کے مصائب سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی ہے۔انہوں نے دشمن سے وطن کی آزادی کا سودا کر کے پنی جانیں بچا لی ہیں' اپنے باغات اور اپنے کھیت بچا لیے ہیں۔وہ حامد بن زہرہ کے متعلق لوگوں کو یہ سمجھائیں گے کہ وہ ایک شرپسند باغی تھا اور اپنی انا کی تسکین کے لیے قوم کو تباہی کے راستے پر ڈالنا چاہتا تھا"۔

سلمان نے کہا "مجھے آپ نے نوکروں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ صرف چند دن قبل اپنے اجڑے ہوئے گھر میں واپس آئی ہیں۔کیا ایسے غیر یقینی حالات میں یہ بہتر نہ تھا کہ آپ یہاں سے دور رہتیں"۔

بدریہ نے جواب دیا "میں اس وقت یہاں سے گئی تھی جب کہ عورتوں اور بچوں کا یہاں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا تھا۔اگر صرف اپنی جان بچانے کا مسئلہ ہوتا تو میں ہر صورت میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی لیکن اگر اس گھر میں چالیس سے زیادہ زخمی اور بیمار پڑے ہوئے تھے۔غرناطہ میں قحط پڑا ہوا تھا اور تمام شفاخانے زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے۔جب میرے شوہر نے مجھے زخمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا تو میں انکار نہ کر سکی۔اس نے وعدہ کیا تھا کہ جب اس کی بستی کی حفاظت ناممکن ہو جائے گی تو میں بچے کھچے آدمیوں کو لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔لیکن میرا دل اس وقت بھی یہی گواہی دیتا تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ہم نے اندراش کے قریب پناہ لی تھی۔وہاں میرے شوہر کے ماموں کا خاندان آباد ہے۔

جب اس گاؤں پر دشمن نے قبضہ کر لیا تو چند پناہ گزین وہاں پہنچے۔ان سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں انہیں مکان کی پچھلی طرف دفن کر دیا گیا تھا۔

متارکۂ جنگ کے بعد ہمارے لیے صرف دو راستے تھے۔ایک یہ کہ ہم اندلس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر مراکش' الجزائر یا تیونس کا رخ کریں اور دوسرا یہ کہ ہم ان دکھوں انسانوں کے ساتھ رہیں جو اس خطۂ زمین سے باہر اپنے لیے کسی مستقبل کا

تصور نہیں کر سکتے۔ میں ان بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں جن کے بھائی شوہر اور باپ میرے شوہر کے ساتھ شہید ہوئے ہیں"۔

وہ کچھ دیر اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ بالآخر بدریہ نے کہا "معاف کیجیے آپ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے"۔

سلمان نے جواب دیا "آپ میری فکر نہ کریں۔ مجھے سونے کی بجائے سعید کی تیمارداری میں زیادہ آرام ملے گا"۔

"سعید کی تیمارداری کے لیے میرے علاوہ خادمہ اور دو نوکر یہاں موجود ہیں۔ آپ کو کچھ دیر سو لینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ آپ کو اچانک سفر کرنے کی ضرورت پیش آ جائے!"

بدریہ نے یہ کہہ کر خادمہ کو آواز دی۔ خادمہ کمرے کی طرف سے کمرے میں داخل ہوئی اور ساتھ ہی برابر والے کمرے سے اسماء کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"بیٹی! میں یہاں ہوں۔ ابھی صبح ہونے میں بہت دیر ہے۔ تم آرام سے بستر پر لیٹی رہو میں ابھی آتی ہوں"۔

اسماء آنکھیں ملتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چند ثانیے حیرت زدہ ہو کر سلمان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک آگے بڑھی اور قریب آ کر بولی "آپ زخمی تو نہیں ہیں نا؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں" سلمان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے امی جان سے کہا تھا کہ آپ ضرور آئیں گے اور یہ میرا مذاق اڑاتی تھیں۔ میں سارا دن آپ کا انتظار کرتی رہی۔ جب بارش شروع ہو گئی تو میں نے سمجھا آپ نہیں آئیں گے۔ پھر ماموں ولید آئے تو میں نے سمجھا شاید آپ

آ گئے ہیں"۔

"بیٹی! یہ باتوں کا وقت نہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے اور تم جا کر بھی سو جاؤ"۔

بدریہ یہ کہہ کر خادمہ سے مخاطب ہوئی "تم انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ"۔

سلمان نے اٹھ کر کہا "نہیں انہیں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں"۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں آگ جل رہی تھی اور مسعود آتشدان کے سامنے بیٹھا اس کا چغہ سکھا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھا اور چغے کو کھونٹے پر لٹکاتے ہوئے بولا "یہ اب جلدی سوکھ جائے گا۔ ولید نے تاکید کی تھی کہ آپ کو مہمان خانے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں تم جا کر آرام کرو"۔

مسعود نے چند لکڑیاں اٹھا کر آتشدان میں ڈال دیں اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

باپ اور بیٹا

وزیر ابو القاسم کی قیام گاہ پر ہاشم کی بے بسی اور بے چارگی میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اس نے متعدد بار محل سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن پہرے داروں اور نوکروں کے طرز عمل نے اس پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اس کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں۔ وہ انہیں دھمکیاں اور گالیاں دے چکا تھا اور طیش میں آ کر ایک ملازم کے منہ پر تھپڑ مار چکا تھا۔ سلطان ابو عبداللہ اور وزیر ابو القاسم کو غدار اور ملت فروش کہہ چکا تھا لیکن محل کے ملازم اور پہرے دار اس کے سب و شتم اور غم و غصہ سے قطعاً بے نیاز تھے۔ وہ بظاہر اس کے ساتھ انتہائی احترام سے پیش آتے لیکن کمرے کے دروازے سے ننگی تلواروں کا پہرہ ہٹانے کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔

پہرے داروں کے پاس اس کے تمام سوالات کا ایک ہی جواب تھا:

"وزیر اعظم آپ کو یہاں ٹھہرانے کا حکم دے گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کا باہر نکلنا خطرناک ہے۔ اس لیے میری واپسی تک آپ کو روکا جائے۔ اب اگر آپ باہر نکل جائیں اور راستے میں آپ کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو وہ ہماری کھالیں کھنچوا دیں گے۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ دی جائے لیکن ہمیں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر آپ باہر نکلنے کی کوشش کریں تو آپ کو گرفتار کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جائے"۔

ہاشم نے وزیر اعظم کے گھر کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ دوپہر کے وقت اس نے سردی کا بہانہ کر کے باہر دھوپ میں بیٹھنے کی خواہش کی تو مسلح آدمی اسے صحن میں لے گئے۔ تقریباً ایک ساعت وہ آنکھیں بند کیے دھوپ میں بے حس بیٹھا رہا اور پھر اچانک اٹھ کر صحن کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ ڈیوڑھی سے ابھی پانچ قدم دور تھا کہ پہرے داروں نے بھاگ کر اسے گھیر لیا اور زبردستی ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اب وہ ایک بھوکے جانور کی طرح اس کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

ہاشم یہ جاننے کے لیے بے قرار تھا کہ غرناطہ میں کیا ہو رہا ہے۔ اس نے جانے والوں کے قدموں کی آہٹ سن کر انہیں آوازیں دیں لیکن وہ اس سے قطعاً بے نیاز ہو چکے تھے رنج و غم سے نڈھال ہو کر اس نے اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا۔

☆☆☆

رات ایک پہر گزر چکی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک افسر اور دو ملازم کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک نوکر نے مشعل کی لو سے کمرے کا چراغ جلا دیا۔ ہاشم نے ملتجی ہو کر کہا "خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ میں کب تک تمہاری قید میں ہوں۔ شہر میں کیا ہو رہا ہے اور ابو القاسم کہاں ہے؟"

افسر نے جواب دیا "شہر میں بدامنی بلکہ بغاوت کا خطرہ ہے اور وزیر اعظم آپ کے دوستوں کو اس افراتفری سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں یقین ہے کہ شہر کی فضا بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے لیے کھانا منگوا لیا جائے"۔

ہاشم نے تلملا کر کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے زہر مہیا کر دو"۔

"معاف کیجیے! ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے"۔ افسر نے مڑتے ہوئے کہا۔

ہاشم چلایا "خدا کے لیے ٹھہریے"۔

وہ رک کر ہاشم کی طرف دیکھنے لگا۔

ہاشم نے قدرے توقف کے بعد کہا "میں حامد بن زہرہ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں کیا ابو القاسم اس کی گرفتاری یا قتل کا حکم دے چکے ہیں؟"

افسر نے جواب دیا "وزیر اعظم کو اس کے متعلق کوئی حکم دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کا معاملہ ان لاکھوں انسانوں کے ساتھ ہے جو غرناطہ میں امن چاہتے ہیں۔ اور اس سے نجات حاصل کرنا ان لوگوں کا اولین فرض ہے جن کے بھائی، عزیز اور

دوست یرغمال کے طور پر دشمن کے پاس قید ہیں۔ میرا بیٹا بھی ان میں سے ایک ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ کے دو بیٹے بھی یرغمال بنائے جا چکے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے غرناطہ کو اس کے شر سے بچانے کی ذمہ داری قبول کی تھی"۔

ہاشم کرب کی حالت میں چلایا "میں اس شرمناک سازش سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ کسی بزدلی سے کنارہ کش ہونے کسی گناہ سے توبہ کرنے یا کسی غلط راستے کی بجائے صحیح راستہ اختیار کرنے کا حق رکھتا ہوں اور ابوالقاسم مجھے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا"۔

"اگر آپ کے خیال میں صحیح راستہ یہ ہے کہ غرناطہ کو پھر ایک بار جنگ کی آگ میں جھونک دیا جائے تو اہل غرناطہ کو ایک ایسے آدمی کے شر سے محفوظ رکھنا ہماری پہلی اور سب سے بڑی ذمہ داری ہے جس کی باتوں سے آپ جیسے سنجیدہ لوگ بھی متاثر ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ حامد بن زہرہ کا سحر بہت جلد ٹوٹ جائے گا"۔

یہ کہہ کر افسر اور اس کے ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے اور ہاشم دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں کئی خیالات آ رہے تھے۔

☆☆☆

ہاشم نے سلطنت غرناطہ کے مستقبل سے مایوس ہو جانے کے بعد ابوالقاسم سے تعاون کیا تھا اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اس کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ حامد بن زہرہ یا تو کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا یا غرناطہ کے حالات اس قدر بدل اور بیرونی امداد کے متعلق اس قدر مایوس ہو چکا ہے کہ اس نے واپس آنا پسند نہیں کیا لیکن گزشتہ رات حامد بن زہرہ سے غیر متوقع ملاقات کی امیدوں کے بجھتے ہوئے چراغ دوبارہ روشن کر دیے تھے۔ حامد بن زہرہ نے کہا تھا کہ اگر اہل غرناطہ صرف چند ماہ اور دشمن کو دارالحکومت کے باہر روک سکیں تو ترک نہیں مایوس

نہیں کریں گے لیکن اگر وہ غلامی پر رضامند ہو گئے تو باہر سے کوئی طاقت ان کے سیہ کی گناہوں کا تدارک کرنے کے لیے نہیں آئے گی۔

جب ہاشم، حامد بن زہرہ کو غرناطہ جانے سے روکنے کے لیے وہاں کے باشندوں کی مایوسی اور بے بسی کا نقشہ کھینچ رہا تھا تو اس کے ذہن پر یہ خوف سوار تھا کہ اگر وہ عوام کو مشتعل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جنگ دوبارہ چھڑ گئی تو اسے فتح و شکست سے بے پروا ہو کر اس کا ساتھ دینا پڑے گا اور اس کا بھی نتیجہ یہ ہو گا کہ جن لوگوں کو یرغمال کے طور پر فرڈیننڈ کے حوالے کیا جا چکا ہے وہ دشمن کے انتقام کا پہلا نشانہ بنیں گے۔ اولاد کی محبت نے اسے ابو القاسم کے پاس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم اس سے التجا کرتے ہوئے بھی وہ اپنے ضمیر کو یہ تسلی دے رہا تھا کہ اگر حامد بن زہرہ اہل غرناطہ کی غیرت بیدار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور میرے بیٹے دشمن کے قبضے سے نکل آئے تو میں انہیں آزادی کا پرچم بلند کرنے والوں کی اگلی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں'' ابو القاسم کے طرز عمل نے اس کے دکھتے ہوئے ضمیر کے لیے ایک تازیانے کا کام کیا تھا۔

وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا ''حامد بن زہرہ اس وقت آیا ہے جب کہ قوم زہر کا پیالہ حلق سے اتار چکی ہے۔ کاش وہ ایک ہفتہ پہلے آ جاتا اور ہم قوم کے قاتلوں سے اپنا مستقبل وابستہ کرنے کی ذلت سے بچ جاتے۔ کیا میرے لیے حامد بن زہرہ کی رفاقت میں مرنا ابو القاسم اور ابو عبداللہ جیسے ملت فروشوں کے ساتھ زندہ رہنے سے بہتر نہیں تھا؟ میرا ضمیر یقیناً اس بات سے خوش ہو گا کہ ابو عبداللہ اور ابو القاسم کی خوشنودی حاصل کر کے ہم نے اپنے خاندان کو مستقبل کے خطرات سے بچا لیا ہے۔ ان کی بدولت فرڈیننڈ ہمیں بہتر سلوک کا مستحق سمجھے گا اور سلمیٰ بھی اپنے دو بیٹوں کی رہائی کے بعد خوش ہو جائے گی لیکن اگر حامد بن زہرہ کے خدشات درست ثابت ہوئے اور نصرانیوں نے اہل غرناطہ کے ساتھ وہی وحشیانہ سلوک کیا جو اس سے قبل وہ

دوسری مفتوحہ ریاستوں کے مسلمانوں کے ساتھ کر چکے ہیں تو آئندہ نسلیں میرے متعلق کیا کہیں گی۔

میں ابوالقاسم کے پاس کیوں آیا؟ مجھے حامد بن زہرہ کے ساتھ رہنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے بیٹوں کے لیے غلامی کی زندگی کی بجائے آزادی کی موت کی تمنا کیوں نہ کی۔ کاش میں انہیں فرڈیننڈ کی قید میں جانے سے روک سکتا۔ اب کیا ہوگا؟ اب میں کیا کرسکتا ہوں؟"

☆☆☆

ہاشم تھوڑی دیر کے لیے کرسی پر بیٹھ جاتا اور پھر اضطراب کی حالت میں اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ آدھی رات کے قریب اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک پہریدار مشعل ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا اور اس نے کہا:

"وزیر سلطنت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آپ آرام کر رہے ہوں تو آپ کو تکلیف نہ دی جائے"۔

ہاشم خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور کچھ کہے بغیر پہرے دار کے ساتھ چل پڑا۔ چند منٹوں کے بعد وہ ملاقات کے کمرے میں ابوالقاسم کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر ہاشم کو دیکھا اور ہاتھ سے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"تشریف رکھیے"۔

ہاشم بادل ناخواستہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

چند ثانیے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر ابوالقاسم نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری غیر حاضری میں تکلیف ہوئی۔ میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی کہ آپ کو باہر نہ جانے دیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اگر ایک بار جنگ کے حامیوں کے نرغے میں آگئے تو آپ کے لیے واپسی کا کوئی

رست باقی نہیں رہے گا۔ کوئی عقلمند آدمی اپنے دوستوں سے محروم ہونا پسند نہیں کرتا۔ اگر میں آپ کو یہاں روکنے کی کوشش نہ کرتا تو شاید آج الحمراء کے دروازے پر مظاہرہ کرنے اور میرے خلاف نعرے لگانے والوں کے ہجوم میں آپ کی آواز سب سے بلند ہوتی"۔

ہاشم نے جواب دیا "اگر میں اہل غرناطہ میں زندگی کی کوئی رمق باقی دیکھتا تو حامد بن زہرہ کو یہاں آنے سے منع کرنے کی بجائے اس کا ساتھ دیتا۔ پھر مجھے اس بات کی بھی پروا نہ ہوتی کہ فرڈیننڈ میرے بیٹوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا! آپ کو نعروں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ان بے بس انسانوں کا آخری احتجاج ہے جو تباہی کے آخری کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ غرناطہ کے گلی کوچوں میں بہت جلد قبرستانوں کے سناٹے چھا جائیں گے"۔

ابو القاسم نے کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ باہر نکلنے کے لیے سخت بے چین تھے؟"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے حامد بن زہرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے لیکن یہاں کوئی مجھ سے ہمکلام ہونے کے لیے تیار نہ تھا"۔

"ہم نے اس کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی وہ لوگوں کو مشتعل کرنے کے بعد شہر سے نکل گیا اور ہم نے اس کا راستہ روکنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ وہ پہاڑی علاقوں کا دورہ کرے گا اور قبائل کو منظم کرنے کے بعد رضاکاروں کے دستے غرناطہ بھیجنا شروع کر دے گا"۔

ہاشم نے کہا "جو قبائل مایوس ہو چکے ہیں انہیں دوبارہ آمادہ جنگ کرنے کے لیے پرجوش تقریریں کافی نہیں ہوں گی اور جو ابھی تک برسرپیکار ہیں وہ اہل غرناطہ پر اعتماد کرنے کی بجائے پہاڑوں اور چٹانوں میں دشمن کا انتظار کرنا بہتر سمجھیں گے جہاں ایک تیرانداز سو آدمیوں کا راستہ روک سکتا ہے۔ متارکہ جنگ کے بعد وہ ہم

سے بہت دور جا چکے ہیں۔ حامد بن زہرہ اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ ترک وربربر بلا تاخیر ہماری مدد کے لیے پہنچ جائیں۔ وہ ترکوں کے جنگی بیڑے کی آمد کے متعلق پرامید ہے لیکن مجھے وہ یہ اطمینان نہیں دلا سکا کہ تاتار کہ جنگ کی مدت ختم ہونے سے پہلے وہ ہماری مدد کو پہنچ جائیں گے"۔

ابو القاسم نے کہا "حامد بن زہرہ اہل غرناطہ کو بھی کوئی تسلی بخش پیغام نہ دے سکا۔ تاہم اس نے شہر کی ایک بڑی تعداد کو جنگ شروع کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ ممکن ہے بعض قبائل بھی اس کی باتوں میں آجائیں اور وہ جنگ کی آگ بھڑکا کر دشمن کو قتل و غارت کا ایک اور موقع فراہم کر دے۔ اس کا مقصد بہر حال یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں دشمن سے الجھ پڑیں۔ اسے قوم کے چار سو بیٹوں کی کوئی پروا نہیں جنہوں نے غرناطہ کو تباہی سے بچانے کے لیے دشمن کا یرغمال بننا قبول کر لیا ہے۔ اس کے لیے یہ بات بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ جب قبائل غرناطہ کا رخ کریں گے تو دشمن کو دوبارہ شہر کی ناکہ بندی میں دیر نہیں لگے گی"۔

ہاشم نے کہا "آپ نے ان تمام خدشات کے باوجود اسے روکنے کی کوشش نہیں کی؟"

ابو القاسم نے جواب دیا "اسے روکنا تنہا میرا ہی مسئلہ نہیں میں غرناطہ میں بزرگوں افراد ایسے ہیں جو جنگ دوبارہ شروع کرنے کے نتائج سوچ سکتے ہیں"۔

ہاشم چند ثانیے ابو القاسم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے خود ہی آپ کی ساری پریشانی دور کر دی ہے"۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ غرناطہ کے اندر اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ لیکن

غرناطہ کے باہر اس کی حفاظت کے سلسلہ میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی" ابو القاسم! آپ مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

ابو القاسم نے جواب دیا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ میری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ آپ براہ راست ان لوگوں سے گفتگو کر لیں جو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں"۔

"وہ کون ہیں؟"

ابو القاسم نے تالی بجاتے ہوئے کہا "آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا"۔

ہاشم چند ثانیے اضطراب کی حالت میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر برابر کے کمرے سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور وہ سکتے کے عالم میں عمیر و عتبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

ابو القاسم نے کہا "عمیر! تمہارے والد حامد بن زہرہ کے متعلق پریشان تھے۔ تم انہیں تسلی دے سکتے ہو!"

عمیر نے باپ کی طرف دیکھا لیکن اسے زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ عتبہ نے آگے بڑھ کر کہا "جناب عمیر کے بھائیوں کے متعلق آپ کی پریشانی دور ہو جانی چاہیے حامد بن زہرہ نے غرناطہ میں جو آگ بھڑکائی تھی وہ ہمیشہ کے لیے بجھ چکی ہے۔ اب لوگ ان جنونیوں کی باتیں نہیں سنیں گے جو اس عظیم شہر کو قبرستان بنانا چاہتے ہیں اور آپ کو بھی قبائل کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی"۔

ہاشم نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "تم اسے قتل کر چکے ہو؟"

عتبہ جواب دینے کی بجائے ابو القاسم کی طرف دیکھنے لگا۔ ہاشم نے کرب کی حالت میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور پوری قوت سے چلایا

"عمیر! میں تم سے پوچھتا ہوں خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم اس سازش میں

شریک نہیں تھے۔ تمہارے ہاتھ حامد بن زہرہ کے خون سے داغدار نہیں ہوئے۔ میں موت سے پہلے یہ سننا چاہتا ہوں کہ غلامی کی ذلت اور رسوائی قبول کر لینے کے باوجود میرے خاندان نے قوم کے خلاف اس آخری گناہ میں حصہ نہیں لیا۔ تم خاموش کیوں ہو؟"

ابوالقاسم نے کہا "ہاشم! میں تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں۔ اگر تم حامد بن زہرہ کے دوست تھے تو ہم اس کے دشمن نہیں ہیں لیکن مجھے اس بات کا کبھی یقین نہیں آئے گا کہ تم ایک سرپھرے آدمی کے جذبات کی تسکین کے لیے غرناطہ کی مزید تباہی گوارا کر چکے ہو۔ تم اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہو کہ ہم جنگ ہار چکے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اہل غرناطہ کا جوش و خروش نعروں اور مظاہروں سے آگے نہیں بڑھے گا اور باہر کے قبائل میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو بددل اور مایوس ہو چکے ہیں اور چند سرپھرے جو ابھی تک برسرپیکار ہیں۔ اب اہل غرناطہ کی مدد کے لیے پناہ گاہوں سے باہر آنا پسند نہیں کریں گے۔ ایک محدود علاقے میں مقامی نوعیت کی لڑائیاں فرڈیننڈ کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ اندلس کے زرخیز علاقوں، اہم شہروں اور بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آخری ضرب لگانے کے لیے اطمینان سے موزوں وقت کا انتظار کر سکتا ہے۔ جب ان سرپھروں کے خون کا آخری قطرہ بہہ چکا ہو گا تو اس کی افواج کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر ان دروں اور گھاٹیوں میں پھیل جائیں گی جنہیں یہ لوگ ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں۔ حامد بن زہرہ نے صرف یہ خطرہ پیدا کر دیا تھا کہ امن پسند قبائل بھی ازسرنو جنگ کی آگ میں کود پڑیں اور فرڈیننڈ اس انتقامی کارروائی پر مجبور ہو جائے جس کے خوف سے ہم متارکۂ جنگ کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔ ہاشم! تم اپنے لڑکوں کو ہلاکت میں ڈال سکتے ہو لیکن دوسروں کے بیٹوں اور بھائیوں کی زندگی خطرے میں ڈالنے کا حق نہیں رکھتے۔ تم اکھوں نسانوں سے اس شکست اس بے بسی اور مایوسی کے باوجود زندہ

رہنے کا حق نہیں چھین سکتے۔ عمیر نے صرف زندہ رہنے کی خواہش کے عملی اظہار کے سوا کوئی جرم نہیں کیا"۔

ہاشم نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "ان لاکھوں انسانوں کی شکست بے بسی اور مایوسی ان غداروں کی سازشوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے ہمارے ماضی کی ساری عظمتیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالی تھیں اور مستقبل کی امیدوں کے سارے چراغ بجھا دیے تھے۔ حامد بن زہرہ قوم کے سامنے ان عیاش بے حس اور بے غیرت حکمرانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی دعوت لے کر آیا تھا جنہوں نے اپنے اقتدار کے لیے ملک کا مستقبل داؤ پر لگا دیا تھا۔ ابوالقاسم! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک سرپھرا تھا اور ان حالات میں اس سے کسی معجزے کی توقع ایک دیوانگی تھی لیکن تم یہ کہنے کا حق نہیں رکھتے کہ اب قوم ذلت کی زندگی پر رضامند ہو چکی ہے' اس لیے حامد بن زہرہ کو عزت کا راستہ دکھانے کا کوئی حق نہ تھا اور چونکہ لاکھوں انسان ظلم اور وحشت کے خلاف لڑنے کے حق سے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ عظیم انسان واجب القتل تھا جسے اس حق سے دستبردار رہنا پسند نہ تھا۔ چونکہ ذلت اور رسوائی کی زندگی ہمارا مقدر بن چکی ہے اس لیے آزادی کی زندگی یا غیرت کی موت کا راستہ دکھانے والے مجرم ہیں۔ حامد بن زہرہ ان نیک طینت لوگوں کے ضمیر کی آواز تھا جنہیں بدترین مصائب بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے۔ اگر ہم اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتے اور اس سے یہ کہتے کہ ہم دشمن کی غلامی پر رضامند ہو چکے ہیں اور صرف زندہ رہنے کے لیے ہر ذلت اور رسوائی برداشت کرنے پر تیار ہیں تو دنیا ہمیں بزدل اور بے غیرت ہونے کا طعنہ دیتی رہتی۔ پھر بھی ہم اس امید پر زندہ رہتے کہ موجودہ دور کے اندھیرے دائمی نہیں ہیں۔ ہمیں دوبارہ اٹھنے اور سنبھلنے کے لیے موزوں حالات کا انتظار رہتا۔ ہم مایوسی کے اندھیروں میں ان رہنماؤں کا انتظار کرتے جو بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے روشنی کا

مینار بن جاتے ہیں اور جن کی آواز سے مردہ رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔

اگر حامد بن زہرہ کو اپنے مقاصد میں کوئی کامیابی نہ ہوتی تو بھی یہ امید باقی رہتی کہ اس سے بہتر دیکھنے اور سمجھنے والے اس سے زیادہ عزم و یقین کے ساتھ ابھریں گے اور ہماری آئندہ نسلیں ان کے ضمیر کی روشنی اور بقا اور سلامتی کے راستے دیکھیں گی لیکن حامد بن زہرہ کا قتل اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہم نے دائمی اندھیروں کے ساتھ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا بھی رشتہ جوڑ دیا ہے۔ اب اس ظلمت کدہ میں کبھی روشنی نہیں ہوگی۔ ہم اس تاریک رات کے مسافر ہوں گے جس کا دامن مہ و انجم کی ضیا پاشیوں سے خالی ہوگا۔ اب کوئی سرپھرا حامد بن زہرہ کے نقش قدم پر چلنے کی جرات نہیں کرے گا۔ وہ اس بدنصیب قوم کی رگوں میں زندگی کے خون کا آخری قطرہ تھا اور جس زمین پر یہ خون گرا ہے وہ شاید قیامت تک ہماری بے حسی کا ماتم کرتی رہے گی"۔

ابوالقاسم کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "ہاشم! غرناطہ کو مزید تباہی سے بچانا کوئی جرم تھا تو اس کی ذمہ داری تنہا میری ذات پر نہیں۔ تم نے خود اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ اب ہم دوبارہ جنگ شروع کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اس لیے اگر حامد بن زہرہ واپس آگیا تو بھی اسے اشتعال انگیزی کا موقع دینا ایک غلطی ہوگی۔ تم نے اس بات کی ذمہ داری قبول کی تھی کہ تم قبائل کو اس کا ساتھ دینے سے منع کرو گے۔ اب تم صرف اس خوف سے اپنا موقف تبدیل کر رہے ہو کہ تمہیں لوگوں کے سامنے رسوائی کا ڈر ہے لیکن میرے خلاف زبان کھولنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو کہ تمہارا بیٹا براہ راست اس جرم میں حصہ دار بن چکا ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ دو دن کے لیے لوگوں کو میرے خلاف مشتعل کر سکو گے۔ لیکن وہ با اثر لوگ جن کے بیٹے دشمن کے پاس یرغمال ہیں تمہاری تائید نہیں کریں گے۔ وہ تمہیں شاید زبان کھولنے کا موقع ہی نہ دیں۔ میں

تمہیں یہ بھی پتہ ہے، سمجھتا ہوں غرناطہ کے وہ خطیب اور مفتی جن کی توجہ عوام پر اثر انداز ہو سکتی ہے ہر صورت حال سے نپٹنے کے لیے میرا ساتھ دیں گے۔"

ہاشم نے شکست خوردہ ہو کر جواب دیا "اگر میں عوام کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاتا تو سب سے پہلے اپنی بے غیرتی اور بزدلی کا اعتراف کرتا۔ مگر میں چپ رہوں گا تو تمہارے خوف سے نہیں بلکہ اپنی شرم اور ندامت کے باعث خاموش رہوں گا۔ لیکن اگر تم گواہ رہو کہ میں حامد بن زہرہ کے قتل کی سازش میں حصہ دار نہیں ہوں۔"

ابو القاسم چند ثانیے غصے اور اضطراب کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے چہرے پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا:

"اب تک صرف چند آدمیوں کو اس بات کا علم ہے کہ ہم نے غرناطہ کو اس کے شر سے بچایا ہے اور اگر تم اپنی زبان بند رکھ سکو تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہے گا کہ تمہارا بیٹا بھی اس کے قتل کی سازش میں شریک ہے اور کسی کو یہ گواہی دینے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی کہ تم نے قبائل کو پر امن رکھنے کا ذمہ لیا تھا۔ تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہم ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم مجھ پر ذمہ داری ڈال کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہو۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ کل تک تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور تم یہ محسوس کرو گے کہ ہم اپنے ضمیر کی چیخوں کے باوجود زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس بات کا کم صدمہ نہیں کہ حامد بن زہرہ قتل ہو چکا ہے لیکن میں اس سلطنت کا وزیر ہوں جس کے عوام اپنے خون سے آزادی کے چراغ جلانے کی بجائے صرف بے بسی کے آنسوؤں سے زندگی کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس قبرستان کا محافظ منتخب کیا گیا ہے جس کے مکین کسی زندہ آدمی کی چیخ و پکار سننا پسند نہیں کرتے۔ تم خود یہ تسلیم کرتے ہو کہ تم نے اسے غرناطہ آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اہل غرناطہ سے مایوس ہو چکے تھے اور نئی جنگ کے آلام و مصائب سے بچنے

چاہتے تھے؟ تمہیں اس وقت میرے سوالوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دو دن بعد جب تم الحسین کے چوراہے میں لوگوں کی باتیں سنو گے تو تمہیں حامد بن زہرہ کی یاد پریشان نہیں کرے گی"۔

ابو القاسم نے تالی بجائی ایک مسلح آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ ابو القاسم نے کہا "انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ"۔

ہاشم چند ثانیے غصے اور ندامت کی حالت میں ابو القاسم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "اگر میں آپ کی قید میں ہوں تو مجھے اجازت دیجئے!"

ابو القاسم نے جواب دیا "لوگ اپنے قیدیوں کے ساتھ آدھی رات کے وقت بحث نہیں کرتے۔ اگر میں تمہارا دشمن بھی ہوتا تو بھی تمہیں اس وقت رخصت کرنا پسند نہ کرتا۔ تم صبح تک آرام کرو۔ اس وقت غرناطہ کی فضا ٹھیک نہیں۔ ابھی حامد بن زہرہ کے طرفدار کافی چوکس ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ باہر نکلتے ہی تمہیں ان کا سامنا کرنا پڑے۔ حکومت کے حامیوں کا معاملہ تم سے مختلف ہے۔ وہ اس جگہ ان کی آمد و رفت کو زیادہ اہمیت نہیں دیں گے۔ لیکن تم حامد بن زہرہ کے پرانے دوست اور ساتھی ہو۔ اگر اس وقت انہوں نے تمہیں میرے مکان سے نکلتے دیکھا تو ان کے دل میں کئی شکوک پیدا ہوں گے۔ تم باقی رات یہاں آرام کرو۔

ہاشم نوکر کے ساتھ چل دیا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر وہ چونک کر رک گیا اور مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا "عمیر! تم میرے ساتھ آؤ!"

عمیر تنہائی میں اپنے باپ سے گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے ملتجی نگاہوں سے ابو القاسم کی طرف دیکھا اور ابو القاسم نے اس کے باپ سے مخاطب ہو کر کہا

"عمیر کو تھوڑی دیر میرے پاس رہنے دیجئے۔ میں چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں"

ہاشم چند ثانیے کرب کی حالت میں عمیر کی طرف دیکھتا رہا اور پھر چابک باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ابو القاسم نے عتبہ اور عمیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اگر حامد بن زہرہ کا بیٹا غرناطہ پہنچ چکا ہے تو ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا لیکن اگر وہ تمہیں چکمہ دے کر کسی اور طرف نکل گیا ہے تو اس کو تلاش کرنا تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اسے کسی حالت میں بھی قبائل کو مشتعل کرنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ اگر وہ اپنے گاؤں پہنچ گیا ہو تو عمیر کے لئے اس کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہوگا۔

عمیر نے کہا جناب! آپ اس کی فکر نہ کریں۔ ہم صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ ابو القاسم نے کہا تمہیں زیادہ آدمی اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ موجودہ حالات میں ہم اس سے کھلے تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے باپ کے قاتل کون تھے اور تمہارے لئے ایک دشمن کی بجائے ایک دوست کی حیثیت سے اسے قابو میں لانا زیادہ آسان ہوگا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ تمہارے والد تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے لیکن انہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو دن تک ان کا غم و غصہ دور ہو جائے گا۔

عمیر نے کہا۔ جناب! مجھے ان کا سامنا کرنے سے خوف محسوس ہوتا ہے۔

بہت اچھا تم جاؤ۔ اس وقت ان سے بات کرنا مناسب نہیں۔ میں صبح ہوتے ہی انہیں تسلی دینے کی کوشش کروں گا۔ سردست سعید کی تلاش بہت ضروری ہے۔ اس کی اہمیت صرف یہی نہیں کہ وہ حامد بن زہرہ کا بیٹا ہے اور جنگ کے حامی اس سے پناہ لے کر بغاوت کر سکتے ہیں بلکہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسے قابو میں لانے کے بعد حکومت کے لئے حامد بن زہرہ کے بیرونی مددگاروں

کو پکڑنا آسان ہو جائے گا۔ فرڈیننڈ کو یقین ہے کہ جن نامعلوم جہازوں نے سینڈس کے ساحل پر اتارا تھا وہ بیرونی جاسوسوں کو بھی یہاں پہنچا گئے ہیں۔ اگر تم سعید کے ذریعے ان کا سراغ لگا سکو تو فرڈیننڈ تمہاری یہ خدمت کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ فی الحال حامد بن زہرہ کے قتل کی خبر اہل غرناطہ سے پوشیدہ رکھنی چاہیے۔ اگر اس کے ساتھی یہ خبر مشہور کر دیں تو بھی تمہیں اس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرنا چاہیے۔

عتبہ نے کہا ہمیں یہ معلوم تھا کہ اگر ہم یہ خبر مشہور کریں تو عوام ہم پر شک کریں گے۔ اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ تمہیں خاموش رہنا چاہیے۔ اگر اس کا کوئی ساتھی یہاں پہنچ چکا ہے تو کل تک شہر میں کہرام مچ جائے گا۔ پہرے داروں کے متعلق ہم پہلے بھی مطمئن نہیں تھے اور اب تو یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ان کے افسر در پردہ باغیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں پولیس کے جو آدمی ہمارے ساتھ بھیجے گئے تھے انہوں نے بھی کسی فرض شناسی کا ثبوت نہیں دیا۔ اگر ان کا افسر اپنے ساتھیوں کو دوبارہ تیر چلانے سے منع نہ کرتا تو باقی تین آدمیوں کو بھی بچ نکلنے کا موقع نہ ملتا۔ میں اس بات سے پریشان ہوں کہ ہم کئی میل چکر لگانے کے بعد واپس آ گئے ہیں لیکن پولیس کے چھ آدمی جو سیدھی سڑک سے اس طرف بھیجے گئے تھے ابھی تک غائب ہیں۔

ابو القاسم نے کہا تم نے پہرے داروں سے پوچھا تھا؟

نہیں! ہم مغربی دروازے سے شہر میں داخل ہوئے تھے وہ سیدھے کوتوال کے پاس گئے تھے لیکن اسے بھی اس وقت تک کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ فوراً ان کا پتا لگائے اور یہاں اطلاع بھیج دے۔ اگر آپ کو اس وقت سے باخبر کرنا ضروری نہ ہوتا تو ہم بھی اس کے ساتھ جاتے۔ اب ہم دوبارہ اس کے پاس جائیں گے۔

عمیر نے کہا ہم نے ایک سوار کا پیچھا کیا تھا اور وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ ہمیں چکمہ دے کر سڑک کی طرف نکل گئے ہوں اور پولیس کے آدمیوں کو ان کا سراغ مل گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا ہو اور اطمینان سے واپس آگئے ہوں۔

ابو القاسم نے کہا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک ان کا پیچھا کر رہے ہوں۔ بہر حال تم کوتوال کے پاس جا کر پتا لگاؤ۔ اگر کوئی تشویش ناک بات ہو تو اس سے کہو کہ مجھے فوراً اطلاع دے۔ اس کے بعد تمہاری ذمہ داری سعید کو تلاش کرنا ہے

☆☆☆

ابو القاسم کے محافظ دستے کا سالار کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا

جناب! کوتوال حاضر ہونے کی۔۔۔۔۔۔

ابو القاسم نے اسے فقرہ ختم کرنے کا موقع نہ دیا۔ وہ چلایا۔ اسے لے آؤ!

افسر تیز قدموں سے باہر نکلا اور ایک منٹ بعد کوتوال ہانپتا کانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا لباس کیچڑ سے لت پت تھا اور چہرے پر بھی کیچڑ کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔

اس نے کہا۔ جناب! سڑک پر چار آدمیوں کی لاشیں مل گئی ہیں اور باقی دو آدمیوں کی تلاش جاری ہے۔

اور وہ چاروں پولیس کے آدمی ہیں؟ ابو القاسم نے حیران ہو کر پوچھا

ہاں!

اور انہیں قتل کرنے والے بچ کر نکل گئے ہیں؟

جناب ابھی ان چار کے علاوہ ہمیں کوئی اور لاش نہیں ملی۔ ہمارا ایک آدمی پیچھے کی گردن کٹنے سے ہلاک ہوا ہے اور باقی تین۔۔۔۔۔۔

ابو القاسم غضب ناک ہو کر چلایا۔ بے وقوف! مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی

نہیں کہ تمہارے بزدل آدمیوں کو جہنم واصل کرنے والوں نے کون سے ہتھیار استعمال کیے تھے۔ تمہیں اب یہ کوشش کرنی چاہیے کہ صبح تک تمہیں اپنے باقی دو ساتھیوں کی لاشیں بھی مل جائیں وہ اور زخمی ہونے کے بعد دشمن کے ہاتھ نہ لگے ہوں ورنہ یہ ممکن ہے وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے تمہاری قربانی پیش کردیں۔ نہیں تلاش کرنا ورن کی زبانیں بند رکھنا میری ذمہ داری نہیں بلکہ تمہارا فرض ہے۔

کوتوال کو اس موضوع پر کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ابوالقاسم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ابوالقاسم نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ تم نے لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

جناب! لاشیں یہاں لائی جا رہی ہیں

یہاں میرے گھر؟ ابوالقاسم گرجا

نہیں جناب! لاشوں کو ان کے گھر پہنچا دیا جائے گا

وہ کس لئے؟

جناب! اگر آپ انہیں یہاں لانا مناسب نہیں سمجھتے تو انہیں راستے میں روکا جا سکتا ہے

مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تم لاشوں کو کہاں غائب کرتے ہو لیکن میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر عوام کو حامد بن زہرہ کے قتل کا پتا چل گیا تو یہ لاشیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی۔ خدا کے لئے! میری طرف اس طرح نہ دیکھو!

عتبہ نے کوتوال سے کہا۔ آپ فوراً لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں اور باقی دو آدمیوں کا پتا لگائیں۔ اس کے بعد غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے ساتھیوں کی تلاش شروع کر دیں۔ آپ نے پہرے داروں سے دریافت کیا تھا؟

ہاں! وہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی تک وہ شہر کی طرف نہیں آئے لیکن میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

ابو القاسم نے کہا کاش! تم اپنے آدمیوں کے متعلق بھی اس قدر محتاط ہوتے۔ خدا کے لیے اب میرا وقت ضائع نہ کرو۔ جاؤ!

کوتوال کمرے سے باہر نکل گیا

ابو القاسم عتبہ اور عمیر کی طرف متوجہ ہوا۔ تم صبح ہوتے ہی سعید کے گاؤں کا رخ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ پولیس کے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد وہ غرناطہ آنے کی بجائے وہاں پناہ لینا زیادہ مناسب سمجھے لیکن کسی کو یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ تم ان کے دشمن ہو۔ گاؤں میں اس پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کو جائے پناہ کا پتا لگانے کے بعد مناسب قدم اٹھا سکیں گے۔

ہاشم اپنے دل پر ایک ناقابل برداشت بوجھ محسوس کرتے ہوئے مہمان خانے کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوا اور کچھ دیر بے چینی کی حالت میں ٹہلتا رہا۔ اسے یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی تھی کہ حامد بن زہرہ قتل ہو چکا ہے اور وہ اپنے دل کو بار بار یہ تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ ابو القاسم نے ایک فرضی داستان سنا کر اس کا امتحان لینے کی کوشش کی ہے۔ شاید وہ گرفتار ہو چکا ہو اور ابو القاسم اس کے قتل کا حکم دینے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہو کہ اس کے دوستوں کا ردعمل کیا ہوگا۔ لیکن پھر اچانک عمیر کی شکل اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتی اور اس کا دل ڈوبنے لگتا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ناقابل برداشت گھٹن محسوس کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ برآمدے میں ایک مسلح پہرے دار نے اس کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا

جناب! آپ کہاں جا رہے ہیں؟

میں وزیر اعظم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں

جناب! اب آپ صبح سے پہلے ان سے نہیں مل سکتے۔

وہ اندر جا چکے ہیں؟

مجھے معلوم ہے تم انہیں اطلاع دو کہ میں صرف اپنے بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں

آپ کا بیٹا؟

ہاں وہ ان کے کمرے میں ہے

جناب! اس وقت میں ان کے کمرے میں کیسے جا سکتا ہوں!

تمہیں ان کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ عمیر وزیر اعظم سے ملاقات کے اختتام پر میرے پاس آجائے۔ اس لئے تم کسی نوکر سے کہو کہ وہ باہر نکلتے ہی میرا پیغام پہنچا دے۔ ورنہ میں خود اس کے راستے میں کھڑا رہوں گا۔

نہیں جناب! آپ اپنے کمرے میں آرام کریں۔ میں اس کا پتا لگاتا ہوں۔

پہرے دار یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ہاشم نے کمرے میں جانے کی بجائے برآمدے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ذہنی اضطراب اور خلجان کے باعث سے سردی کی شدت کا بالکل احساس نہ تھا۔ چند منٹ بعد پہرے دار واپس آیا تو اس کے ساتھ محافظ دستے کا افسر تھا جس کے ساتھ دن کے وقت اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ پہرے دار چند قدم دور رک گیا اور افسر نے ہاشم کے قریب آ کر کہا۔

جناب! عمیر تو کافی دیر سے جا چکا ہے اور وزیر اعظم اس وقت شہر کے چند معززین سے گفتگو کر رہے ہیں

ہاشم کا دل بیٹھ گیا۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ عمیر کہاں گیا ہے؟

جناب! مجھے کچھ معلوم نہیں اگر کوئی ضروری بات ہے تو میں صبح کے وقت کسی کو اس کی تلاش میں بھیج دوں گا۔ اس وقت آپ کو آرام کرنا چاہیے۔

نہیں! میں اسے ابھی وقت تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ ہاشم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن افسر نے جلدی سے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ میں اس گستاخی کے لئے معذرت چاہتا ہوں لیکن وزیر اعظم کی اجازت کے بغیر آپ محل سے باہر نہیں جا سکیں گے۔ اس وقت پہرے دار آپ کے لئے محل کا دروازہ کھولنے کی

جرأت نہیں کر سکتے۔

ہاشم نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ میں وزیر اعظم سے بات کرنا چاہتا ہوں

جناب! آپ اس وقت ان سے نہیں مل سکیں گے۔ افسر نے واپس مڑتے ہوئے کہا

ہاشم نے پوری قوت سے چلانے کی کوشش کی لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ وہ بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس کی ٹانگوں میں اس کا بوجھ سہارنے کی سکت نہ تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے برآمدے کا ستون تھام لیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہرے دار کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا سانس رفتہ رفتہ گھٹ رہا تھا۔ اور ڈوبتے ہوئے دل کی بردھڑکن کے ساتھ درد کی ٹیسوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اچانک اس کے بازو شل ہو گئے۔ دونوں گھٹنے زمین کے ساتھ آ لگے۔

پہرے دار نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے رہی سہی قوت سے کام لیتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور ایک طرف گر پڑا۔ پھر اس نے چند ثانیے تڑپنے کے بعد آخری بار جھرجھری لی اور اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے دائمی اندھیرے چھا گئے۔

پہرے دار سراسیمگی کی حالت میں اس کا بے جان جسم ٹٹولتا رہا۔ پھر اچانک بڑے افسر کو اطلاع دینے کے لیے بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد تین آدمی ہاشم کی لاش اٹھا کر کمرے کے اندر رکھ چکے تھے۔ محافظ دستے کے افسر نے پہرے دار کو دروازہ بند رکھنے اور سختی کے ساتھ پہرہ دینے کی ہدایت دینے کے بعد ایک نوکر سے کہا کہ تم باہر دروازے پر جا کر یہ حکم دو کہ چار سوار فوراً کوتوال کے پیچھے روانہ ہو جائیں اور اسے تلاش کر کے فوراً واپس لے آئیں۔ اسے صرف یہ بتایا جائے کہ وزیر اعظم کو ایک ضروری کام ہے۔ دروازے پر ایک بگھی بھی تیار رہنی چاہیے۔

یک سپاہی نے کہا۔ جناب! اگر آپ عمیر کو تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اس کام کے لیے کوتوال کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ جب وہ ملاقات کے بعد وزیر اعظم کے کمرے سے باہر نکل رہے تو میں نے عتبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اب صبح ہونے والی ہے۔ اس لیے تمہیں اپنی قیام گاہ کی بجائے تھوڑی دیر میرے ہاں آرام کر لینا چاہیے۔

افسر نے کہا۔ نہیں اس وقت عمیر کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال اس محل کے اندر اور باہر کسی کو بھی ہاشم کی موت کے متعلق علم نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وزیر اعظم کا حکم ہے۔

☆☆☆

ابھی پو پھٹی نہ تھی۔ ایک نوکر نے عتبہ کو گہری نیند سے جگاتے ہوئے کہا۔ جناب! میں اس گستاخی کے لیے معافی چاہتا ہوں لیکن کوتوال اسی وقت آپ سے ملنے پر مصر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے وزیر اعظم نے بھیجا ہے

عتبہ نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا وہ کہاں ہے؟

جناب! وہ باہر بگھی میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اسے ملاقات کے کمرے میں بیٹھنے کے لیے کہا تھا لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھے بہت جلدی ہے اور عمیر کی موجودگی میں میرا اندر آنا ٹھیک نہیں۔ دو سوار بھی اس کے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ آپ ابھی سوئے ہیں لیکن وہ کوئی ضروری پیغام لائے ہیں۔

عتبہ نے بستر سے اٹھ کر جوتا پہنا اور نوکر نے ایک بھاری قبا کھونٹے سے اتار کر اس کے کندھے پر ڈال دی۔

چند ثانیے بعد عتبہ مکان کے دروازے پر پہنچا۔ کوتوال اسے دیکھ کر بگھی سے اتر پڑا اور اس نے کہا۔ معاف کیجئے! میں نے آپ کو بے وقت جگایا ہے لیکن آپ کو اطلاع دینا ضروری تھا۔ وزیر اعظم کا بھی یہی حکم تھا کہ ہاشم کے متعلق آپ سے مشورہ

رلیا جائے۔

عتبہ نے کہا۔ لیکن ہم یہ فیصلہ کر کے وہاں سے آئے تھے کہ جب تک ہم اپنی مہم سے فارغ نہیں ہوتے اسے وہیں روکا جائے اور عمیر کو بھی اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اگر اس کا باپ کسی پریشانی کا باعث ہو تو اس کو صبح تک کسی زیادہ موزوں جگہ پر منتقل کیا جائے۔

میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ ہاشم مر چکا ہے۔ مجھے گھر پہنچتے ہی دوبارہ وہاں حاضر ہونے کا حکم ہوا تھا۔ ہاشم کے دل کی حرکت اچانک بند ہو گئی تھی۔ اب اس کی لاش وہاں سے ایک سرکاری طبیب کے پاس پہنچا دی گئی ہے اور اسے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ سردست یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہو۔ وزیر اعظم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات ظاہر کر دی جائے تو عمیر کا ردعمل کیا ہوگا!

عتبہ نے ہاشم کی موت کے متعلق چند سوالات پوچھنے کے بعد کہا۔ عمیر کو موزوں وقت پر اطلاع مل جائے گی۔ اس وقت وہ شراب میں مدہوش پڑا ہوا ہے۔ اسے صرف اس بات کی فکر تھی کہ کل جب ہم سعید اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں اس کے گاؤں پہنچیں گے تو پیچھے سے کہیں وزیر اعظم اس کے باپ کو آزاد کرنے کی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ وہ جس قدر حامد بن زہرہ کے بیٹے سے خوفزدہ ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے باپ کا سامنا کرتے ہوئے خوف محسوس کرتا ہے اب وہ اپنے گھر جا کر اطمینان سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے گا اور جب ہماری مہم ختم ہو جائے گی تو وہ ہمارے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوگا۔ اس شہر میں کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہاشم رات وزیر اعظم کا مہمان تھا۔ ورنہ اس کی اچانک موت سے یہی نتیجہ نکالا جائے گا کہ ہم نے حامد بن زہرہ کے ایک اور ساتھی کو راستے سے ہٹا دیا ہے۔ جن لوگوں نے اسے وہاں دیکھا تھا آپ انہیں اچھی طرح سمجھا دیں!

لیکن اس کی لاش؟

عتبہ نے جواب دیا۔ اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا تمام کاموں سے مقدم ہے۔ ور میر خیال ہے کہ اس کام کے لئے آپ کو میری مدد کی ضرورت نہیں۔ ہم بوقت ضرورت یہ بھی مشہور کر سکتے ہیں کہ وہ حامد بن زہرہ کی تلاش میں کہیں جا چکا ہے۔ یا وہ اپنے قیدی بیٹوں کے متعلق بہت پریشان تھا اور وزیر اعظم نے اسے اپنی طرف سے سفارشی خط دے کر غرناطہ سے بھیج دیا ہے۔

☆☆☆

عاتکہ بدریہ کے گھر میں

عاتکہ کو غرناطہ جانے والوں کے متعلق کسی اطلاع کا شدت سے انتظار تھا۔ صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے سعید کے گھر جا کر زبیدہ اور منصور کو تاکید کی تھی کہ اگر غرناطہ سے کوئی واپس آئے تو مجھے فوراً خبر دی جائے۔ اس کے باوجود اس کی بے چینی میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔ کافی دیر انتظار کے بعد وہ دھوپ میں بیٹھنے کے بہانے چھت پر پہنچ گئی اور وہاں وہ کبھی خندق کے پار سعید کے گھر کی طرف دیکھتی اور کبھی اس کی نگاہیں شمال کی سمت غرناطہ کے راستے پر بھٹکنے لگتیں۔

جب وادی کے پار کوئی سوار نظر آتا تو اس کے دل کی دھڑکن قدرے تیز ہو جاتی لیکن جب وہ ندی عبور کرنے کے بعد سعید کے گھر کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے کسی اور طرف کا رخ کرتا تو اس کے چہرے پر اداسی چھا جاتی۔

وہ نیچے جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اچانک اسے ایک سوار دکھائی دیا۔ اس کا گھوڑا آہستہ آہستہ نشیب کی طرف اتر رہا تھا۔ ندی کے قریب کچھ دیر اس کی نگاہوں سے اوجھل رہنے کے بعد جب وہ دوبارہ نظر آیا تو اس کا رخ خندق کے پار بستی کے دوسرے حصے کی طرف تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ سلمان کو سعید کے گھر میں داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔

وہ بھاگ کر زینے کی طرف بڑھی۔ نصف زینہ طے کرنے کے بعد جب اسے احساس ہوا کہ نیچے سے سلمیٰ اسی کی طرف دیکھ رہی ہے تو وہ ایک ثانیہ کے لیے جھجکی مگر دوسرے ہی لمحے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ وہ صحن سے ڈیوڑھی کا رخ کر رہی تھی کہ سلمیٰ نے آواز دی۔ بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟

منصور کے گھر چچی جان! اس نے مڑ کر دیکھنے کی بجائے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ خندق پار کر رہی تھی تو اچانک منصور دکھائی دیا

میں آپ ہی کے پاس آ رہا تھا۔ اس نے بھاگ کر عاتکہ کے قریب پہنچتے ہوئے

کہا

وہ مہمان واپس آ گیا ہے اور آپ سے اسی وقت ملنا چاہتا ہے

عاتکہ نے پوچھا۔ اس نے تمہارے نانا کے متعلق کچھ بتایا ہے؟

نہیں!

اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ سعید اور جعفر کب آئیں گے؟

نہیں، وہ آپ کے لئے کوئی ضروری پیغام لایا ہے۔ اچھا ہو کہ آپ یہاں مل لیں۔ اس نے بار بار یہ تاکید کی تھی کہ میں کسی اور کے سامنے آپ سے بات بھی نہ کروں۔

وہ زخمی تو نہیں؟

بالکل نہیں

عاتکہ قدرے مطمئن ہو کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ جب وہ منصور کے گھر پہنچی تو سلمان صحن میں کھڑا زبیدہ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ایک ثانیہ کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ کر جواب طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

سلمان نے زبیدہ سے کہا۔ آپ منصور کو اندر لے جائیں میں ان سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔

زبیدہ نے آگے بڑھ کر منصور کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بادل ناخواستہ اس کے ساتھ چل دیا۔

عاتکہ نے مضطرب ہو کر کہا۔ منصور کو اندر بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ جو خبر میرے لئے قابل برداشت ہو سکتی ہے وہ حامد بن زہرہ کے نواسے کے لئے بھی ناقابل برداشت نہیں ہو سکتی۔ ہم سب بری خبریں سننے کے عادی ہو چکے ہیں

سلمان نے کہا۔ کاش میں آپ کے لئے کوئی اچھی خبر لا سکتا۔ سعید ایک حادثے میں زخمی ہو چکا ہے۔

عاتکہ نے پوچھا۔ آپ کو یقین ہے کہ اس سے زیادہ آپ اور کوئی بری خبر لے کر نہیں آئے؟

سعید کے متعلق میں آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے

میں تو ان کے والد کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔ جن کے لئے میں نے آپ کو بھیجا تھا۔ ورخدارا آپ کو میرے حوصلے کا امتحان نہیں لینا چاہیے۔

سلمان نے جواب دیا وہ اپنی بدنصیب قوم کے گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں۔ مجھے ندامت ہے کہ ان کا راستہ روکنے کے لئے میری کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور جب ان پر حملہ کیا گیا تھا تو میں ان کے ساتھ نہیں تھا انہوں نے رات کے وقت اچانک غرناطہ سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ وفات پا گئے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون

عاتکہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ پھر اس نے ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا

سعید کہاں ہے؟

سلمان نے کہا۔ زخمی ہونے کے بعد اس کو غرناطہ کے قریب ایک بستی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اس وقت نہایت قابل اعتماد لوگوں کی پناہ میں ہے اور میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں بار بار آپ کو یاد کر رہا ہے

آپ مجھے اس کے پاس پہنچا دیں گے؟

ہاں لیکن یہاں سے نکلتے ہوئے آپ کو کافی احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ حامد بن زہرہ کے قاتل اس کے بیٹے کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے پیچھے پیچھے سعید کی جائے پناہ تک کوئی پہنچ گیا تو پھر اس کی حفاظت بہت مشکل ہو جائے گی۔ وہ شاید کئی دن اور سفر کے قابل نہ ہو سکے۔ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔

ہمیں کسی تاخیر کے بغیر وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے!

اور آپ؟ عاتکہ نے سوال کیا

میں پیدل چل سکتا ہوں

عاتکہ نے کہا نہیں آپ کو پیدل چلنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے اصطبل میں اب بھی تین گھوڑے موجود ہیں۔ آپ اپنے گھوڑے پر روانہ ہو جائیں ورندی سے آگے میرا انتظار کریں میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گی۔

سلمان نے کہا سعید غرناطہ کے راستے کی ایک بستی میں ہے لیکن آپ اپنے گھر میں کسی پر یہ ظاہر نہ کریں کہ آپ کس طرف جا رہی ہیں

عاتکہ نے کہا اس صورت میں ہمارا ایک ساتھ یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اگر راستے میں ہمیں کسی نے دیکھ لیا تو اس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ آپ نے راستے میں ایک اجڑا ہوا قلعہ دیکھا ہے؟

ہاں!۔۔۔۔۔۔۔ہاں!!

تو آپ اس قلعہ میں پہنچ کر میرا انتظار کریں۔ میں عام راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے آؤں گی۔ یہ راستہ کافی طویل اور دشوار گزار ہے۔ اس لئے اگر مجھے کچھ دیر ہو جائے تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

سلمان نے کہا اگر میں کسی وجہ سے قلعے تک نہ پہنچ سکتا تو آپ وہاں رکنے کی کوشش نہ کریں۔ قلعے سے آگے غرناطہ کی سڑک ایک بستی کے درمیان سے گزرتی ہے۔ وہاں سڑک کے بائیں کنارے آپ کو ایک مسجد دکھائی دے گی۔ جہاں سے چند قدم آگے دائیں ہاتھ بستی کے سردار کا مکان ہے جہاں سعید ٹھہرا ہوا ہے۔ آپ جب اندر چلی جائیں گی گھر کے مکین آپ کے منتظر ہوں گے اور آپ کو یہ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ آپ کون ہیں!

میں باہر سے وہ مکان دیکھ چکی ہوں۔ آپ کو تفصیلات بیان کرنے کی چنداں

ضرورت نہیں۔ آپ نے زبیدہ کو بتا دیا ہے کہ سعید وہاں ہے؟

نہیں! میں نے اسے صرف یہ بتایا ہے کہ میں عاتکہ کے نے یک ضروری پیغام

لا یا ہوں

عاتکہ نے کہا ب میں بھی یہ محسوس کرنے لگی ہوں کہ سعید کو تلاش کرنے والے یہاں ضرور آئیں گے۔ اس لئے آپ زبیدہ کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ گر کوئی سعید کے متعلق پوچھے تو وہ یہ کہہ دے کہ ایک اجنبی عاتکہ کے لئے کوئی خفیہ پیغام لایا تھا ور ب وہ دونوں جنوب کی طرف چلے گئے ہیں!

یہ کہہ کر عاتکہ تو سی گھوڑے پر سوار ہو کر چلی گئی مگر سلمان جب آگے بڑھا تو زبیدہ ور منصور بھاگ کر اس کے قریب آ گئے

آپ مجھ سے کوئی بات چھپا رہے۔ زبیدہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

سلمان نے جواب دیا۔ میری احتیاط کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں ہے جب جعفر واپس آئے گا تو آپ کو ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

میں سعید ور اس کے والد کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں وہ بخیریت ہیں نا؟

ن سے میری ملاقات نہیں ہو سکی

لیکن آپ تو یہ کہتے تھے کہ سعید کی طرف سے عاتکہ کے لئے کوئی پیغام لائے ہیں؟ ن کا پیغام مجھے کسی اور آدمی کے ذریعے ملا تھا۔ جعفر آج یا کل یہاں پہنچ جائے گا میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ سعید غرناطہ میں نہیں ہے۔ وہ کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ سے گاؤں میں ہاشم کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس لئے وہ یہاں نہیں آ سکا۔ ب گر ہاشم یا اس کے ساتھی یہاں آ کر آپ سے سعید کے متعلق پوچھیں تو آپ صرف اتنا بتا دیں کہ یک اجنبی عاتکہ کو اس کی طرف سے کوئی پیغام دے کر واپس چلا گیا ہے ور آپ کو س نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ سعید جنوب کا رخ کر رہا ہے۔

زبیدہ نے کہا گر ہاشم اس کا دشمن بن چکا ہے تو میں اسے یہ کیسے بتا سکتی ہوں کہ

سعید کس طرف گیا ہے؟

سلمان نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور طرف گیا ہو اور ہم سے تلاش کرنے والوں کو قبجارہ کے راستے پر ڈال کر اس کی مدد کرسکیں میں آپ کو ساری باتیں نہیں بتا سکتا۔ سر دست اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ اس کے دشمنوں کو قبجارہ کی طرف متوجہ کرکے ایک اہم خدمت سرانجام دے سکتی ہیں

آپ کو یقین ہے ہاشم سعید کا دشمن بن چکا ہے

ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا!

سلمان یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور زبیدہ کو کچھ اور کہنے کا حوصلہ نہ ہو۔

منصور! سلمان نے گھوڑے کی باگیں درست کرنے کے بعد مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ماموں تمہیں اپنے پاس بلالیں۔

آپ واپس آئیں گے؟

انشاءاللہ میں ضرور آؤں گا۔ خدا حافظ! یہ کہہ کر سلمان نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

☆☆☆

عاتکہ نے ایک تنگ اور دشوار گزار راستے کا لمبا چکر کاٹنے کے بعد وہ گہری کھڈ عبور کی جس کا دوسرا کنارا اجڑے ہوئے قلعے کی جنوبی دیوار سے جا ملتا تھا۔ وہ تلوار، کمان اور ترکش سے مسلح ہو کر آئی تھی۔

جب وہ سڑک سے چند قدم دور تھی تو سلمان تیزی سے موڑ مڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے آواز دی۔ جلدی آیئے!

عاتکہ نے جھکتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آن کی آن میں اس کے قریب پہنچ گئی۔ سلمان نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور تیزی کے ساتھ شکستہ دروازے سے قلعے کے اندر داخل ہوا۔

عاتکہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔کیا ہوا؟ آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟

سلمان نے قلعے کے دوسرے کونے کے قریب رکتے ہوئے جواب دیا۔چند سوار اس طرف آرہے ہیں۔میں نے انہیں اگلی پہاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا ہے آپ جلدی سے اس برج پر پہنچ جائیں۔

عاتکہ گھوڑے سے کود پڑی اور بھاگتی ہوئی برج کی سیڑھی کی طرف بڑھی۔

سلمان نے اس کا گھوڑا قریب ہی ایک کوٹھری کے اندر اپنے گھوڑے کے قریب باندھ دیا۔ اپنے تھیلے سے طمنچہ نکالا اور بھاگتے ہوئے برج کے زینے کی طرف بڑھا۔عاتکہ ایک دریچے سے سر نکال کر باہر جھانک رہی تھی۔سلمان کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ان کی تعداد آٹھ ہے اور وہ پل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ممکن ہے وہ قلعے کی تلاشی لینے کی کوشش کریں۔

سلمان نے کہا آپ پریشان نہ ہوں۔اگر ان کے پیچھے کوئی لشکر نہیں آرہا تو یہ چھ آدمی ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتے۔

عاتکہ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں جوڑتے ہوئے کہا۔مجھے صرف یہ پریشانی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی باہر رک گیا تو اسے بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔

آپ فکر نہ کریں ہم اس برج سے اس کا راستہ روک سکیں گے۔لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ بے وجہ تیر نہ چلا دیں۔

عاتکہ نے دریچے سے جھانکتے ہوئے کہا۔آپ فکر نہ کریں

تھوڑی دیر بعد سوار پل عبور کرنے کے بعد ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو عاتکہ برج کے دوسرے کونے کے دریچے کی طرف بڑھی اور وہاں سے گھاٹی کے موڑ کی طرف دیکھنے لگی۔

سوار کوئی دو سو گز کے فاصلے پر دوبارہ نمودار ہوئے تو سلمان نے قدرے

مضطرب ہو کر کہا۔ آپ پیچھے ہٹ جائیں وہ دیکھ لیں گے۔

عاتکہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ شاید یہ وہی ہوں

وہی کون؟

عمیر اور اس کا ساتھی!

اگر عمیر ان کے ساتھ ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ سعید کی تلاش میں سیدھے آپ کے گاؤں جائیں گے۔

وہ تھوڑی دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر جب گھوڑوں کی ٹاپ قریب سنائی دینے لگی تو عاتکہ دوبارہ دریچے کی طرف بڑھی۔ اس نے ایک نظر سڑک پر ڈالی۔ اچانک اس نے ترکش سے تیر نکال کر کمان پر چڑھا لیا لیکن عین اس وقت جب کہ وہ دریچے سے باہر سر نکال کر نشانہ لے رہی تھی سلمان نے اس کا کندھا پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ عاتکہ بے بسی اور غصے کی حالت میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ معاً سڑک کی طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم آگے جانے سے پہلے اس قلعے کی تلاشی لے لیں۔

دوسرے نے جواب دیا۔ وہ اتنا بیوقوف نہیں۔ اگر وہ اس طرف آیا ہے تو اپنے گاؤں سے پہلے کسی اور جگہ نہیں رکے گا جبکہ میرا خیال ہے کہ وہ وہاں سے بھی کوسوں دور آگے جا چکا ہو گا۔

عاتکہ سلمان کا ہاتھ جھٹک کر دوسرے دریچے کی طرف بڑھی لیکن اس نے جلدی سے اس کا بازو پکڑا اور اسے زینے کی طرف ہٹا دیا۔ وہ اس کی آہنی گرفت میں بے بس سی ہو کر رہ گئی۔

سوار آگے نکل گئے۔

سلمان نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ معاف کیجئے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ آپ سچ مچ تیر چلا دیں گے۔ آپ نے اپنا سر دریچے سے باہر نکال دیا تھا اور یہ محض

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2006

اتفاق تھا کہ اس وقت ان میں سے کسی کی نظر اس طرف نہیں تھی۔

عاتکہ نے جواب دیا۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ عمیر اس کے آگے تھا اور جب وہ میری زد میں آ چکا تھا تو آپ نے میرا ہاتھ روک لیا۔

عاتکہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

عتبہ اس کے ساتھ تھا؟

عاتکہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

سلمان نے کہا سعید کی جان بچانے کا مسئلہ عتبہ سے انتقام لینے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ ورنہ آپ کی یہ خواہش میں اس وقت بھی پوری کر سکتا ہوں۔ اب وہ قلعے کے اندر نہیں آئیں گے۔ میں ان کا پیچھا کرتا ہوں۔ آپ احتیاطاً چند منٹ کے لئے رک جائیں اور اس کے بعد روانہ ہو جائیں۔

عاتکہ نے کہا۔ نہیں آپ کو ان کے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں

وہ تھوڑی دیر خاموشی سے قلعے کے صحن کی طرف دیکھتے رہے اور پھر نیچے اتر آئے۔

سلمان نے کہا آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔

عاتکہ رک گئی اور وہ تیزی سے قلعے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو عاتکہ صحن کے درمیان ایک چبوترے پر دو قبروں کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ چبوترے کے آس پاس کئی قبریں تھیں۔ سلمان نے چبوترے کے قریب پہنچ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے

فاتحہ پڑھنے کے بعد سلمان نے کہا۔ آیئے! اب وہ کافی دور جا چکے ہیں

آپ کو معلوم ہے کہ یہاں میرے والدین دفن ہیں؟ عاتکہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔

ہاں! اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اپنی رحمتوں کے پھولوں میں ڈھانپ لے۔ حامد بن زہرہ نے مجھے اس قلعے کی تباہی اور آپ کے ابا جان کی شہادت کا حال سنایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے سے باہر نکل رہے تھے۔

نالے کا پل عبور کرنے کے بعد سلمان نے اچانک اپنا گھوڑا روکا اور عاتکہ سے مخاطب ہوا اب میں منصور کے متعلق پریشان ہوں۔ اگر میں اسے ساتھ لے آتا تو بہت اچھا ہوتا۔

عاتکہ نے جواب دیا مجھے بھی عمیر کو دیکھتے ہی اس کا خیال آیا تھا۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ عمیر ہمارے گاؤں میں حامد بن زہرہ کے نواسے پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسے وہاں نہیں رہنا چاہیے۔ سعید سے مشورہ کرنے کے بعد اگر یہ فیصلہ ہوا کہ اسے وہاں سے نکال لینا چاہیے تو مجھے فوراً واپس آنا پڑے گا۔

نہیں! نہیں! وہاں پہنچ کر ہم کوئی اور انتظام کریں گے۔ آپ کا دوبارہ وہاں جانا ٹھیک نہیں۔

سلمان نے کچھ سوچ کر کہا۔ میں احتیاطاً آپ سے دو تین سو قدم آگے رہوں گا۔ اگر کسی جگہ میں اچانک سڑک سے ایک طرف ہٹ جاؤں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آگے کوئی خطرہ ہے اور آپ کو آس پاس کسی ٹیلے یا درختوں کی اوٹ میں چھپ کر انتظار کرنا چاہیے۔ بستی کے قریب پہنچ کر ہم سیدھے مکان کا رخ کرنے کی بجائے سڑک کے دائیں جانب باغ اور کھیت عبور کر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے!

☆☆☆

باقی راستہ انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ جب وہ مکان کے پچھلے دروازے کے

قریب پہنچے تو مسعود اور اسماء باہر نکل کر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اسماء نے آگے بڑھ کر سلمان سے کہا میں نے آپ کو دور سے دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ میں صبح سے چھت پر کھڑی تھی۔

پھر وہ جھجکتی ہوئی عاتکہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ آئیے! امی جان آپ کا بھی انتظار کر رہی ہیں اگر کچھ دیر پہلے آپ آجاتیں تو زخمی ہونے والے چچا جان سے باتیں کر لیتیں۔ امی جان کہتی ہیں اب انہیں پھر نیند آگئی ہے لیکن وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔

عاتکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مکان میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر بعد وہ سعید کے بستر کے قریب کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

بدریہ اسے بار بار تسلی دے رہی تھی۔ آپ ہمت سے کام لیں۔ انشاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ تشریف رکھیں۔ امید ہے کہ انہیں جلد ہوش آجائے گا ابھی ایک ساعت قبل یہ اطمینان سے باتیں کر رہے تھے اور اس بات سے بہت پریشان تھے کہ میں نے آپ کو اطلاع بھیج دی ہے۔ تاہم ان کی نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ نے یہاں آکر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ لیکن میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ آپ کا یہاں آنا ہزار علاج سے زیادہ ضروری ہے۔ ہم یہ کوشش کریں گے کہ ان کے متعلق اطمینان حاصل کرتے ہی آپ کو واپس بھیج دیا جائے!

نہیں نہیں عاتکہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا خدارا یہ دعا نہ کیجیے کہ میں حامد بن زہرہ کے قاتلوں کو دوبارہ دیکھوں۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆☆☆

------اختتام---حصہ اول-----